ارض مقدس

حافظ نذر احمد نگینوی
استاذ اسلامیات
اسلامیہ کالج ۔ لاہور



ناظم ادارہ
جامعہ اسلامیہ ۔ لاہور

ملنے کا پتہ

راحت سلک پبلشنز، محمد نگر، لاہور

علم و عمل

راحت پبلی کیشنز

بار اوّل قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ

محمد اشرف قریشی نے امرت الیکٹرک پریس لاہور سے شائع کیا

فہرس

پیغام

جناب پروفیسر حسن الاعظمی سیکرٹری مؤتمر عالم اسلامی پاکستان۔ کراچی

آج مسلمانوں کی ذلت کا بنیادی سبب ان کا سیاسی اور دینی انتشار ہے۔ فرقہ داری تصورات اور وطنیت کے زہریلے جراثیم انہیں گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے "عالمگیر اخوت" اخوتِ اسلامی جسمِ اسلامی میں خون کی طرح ہے اور خون کی اصلاح سے ہی سب بیماریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

"مؤتمرِ عالمِ اسلامی" کی بنیاد اسی مقصد کے لئے ڈالی گئی ہے۔ تحریک کا مرکز پاکستان کو قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی مشترکہ و مقدس بین الاقوامی زبان عربی کو ممکنہ اشاعت دی جا رہی ہے مؤتمرِ عالمِ اسلامی نے "ارضِ مقدس" کی قرارداد منظور کی ہے۔ اور قبلہ اولیٰ کو یہود سے بچانے کے لئے تمام اسلامیانِ عالم کو عملی اقدام کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

مؤتمر کے مرکزی مقام سے شاخوں کی برابر ہدایت کی جائیگی کہ وہ ارضِ مقدس کے مسئلہ کو مختلف ذرائع سے مسلمانوں میں دلچسپ بنائیں۔ ارضِ مقدس کے مصنف حافظ نذر احمد صاحب اس گرانقدر اسلامی سرمایہ کے پیش کرنے میں صد مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حسن الاعظمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

سید سعید رمضان سابق رئیس محکمہ عسکریہ فلسطین (مصر) ایڈوکیٹ قاہرہ۔ مندوب مصری مؤتمر عالم اسلامی کراچی

ان ایام میں محترم بھائی حافظ نذیر احمد صاحب نے فلسطین کے موضوع پر یہ ایک بہترین رہنما کتاب لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ مسجد اقصیٰ ہمیشہ سے دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کے لئے مرجع رہی ہے۔ مسلمانان پاکستان نے عالم اسلامی کے ایک بڑے ملک کے باشندے ہونے کی صورت میں اپنے فلسطینی بھائیوں سے انتہائی سچی اخوت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ارض مقدس مسلسل جہاد سے بھری پڑی ہے۔ مٹھی بھر اللہ کے بندے لگاتار مصروف جہاد رہے ہیں۔ اور چار کروڑ عرب نے دنیا بھر کے صلیبی حملوں کا مقابلہ نہایت کامیابی سے کیا۔ اس ظلم وستم کی مثال دور وسطیٰ میں تو کوئی نہیں ملتی۔ ظالموں نے حاملہ خواتین کے پیٹ چاک کئے۔ معصوم بچوں کی آنکھیں پھوڑیں۔ شریفوں کا "مثلہ" کیا۔ دوشیزاؤں کو علانیہ ہوس پرستی کا ہدف بنایا۔ قرآن پاک کو برملا بے حرمت کیا۔ ہر اس شخص کو قتل کیا جو خالی بندوق لئے ہوتا یا دین وملت کی مدافعت میں کچھ کہنے کی جرأت کرتا۔

یہ سب کچھ برطانوی انتداب کے دور میں ہوا۔ جبکہ پس پردہ اقتصادی، ثقافتی اور سیاسی اعتبار سے یہود کے قومی وطن کے لئے زمین ہموار کی گئی۔ ان پر تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی تعداد کو ایک لاکھ سے دس لاکھ تک پہنچا دیا گیا۔

کے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں ۔ عبرانی یونیورسٹی کے لئے یہود کو مفت زمین دی ۔ مگر عربوں پر اس قدر آبیانہ اور مالیہ بڑھا دیا کہ وہ ادا نہ کر سکے ۔ اور یہودیوں کو اراضی بیچنے کے لئے مجبور ہو گئے ۔ برطانیہ نے آنکھیں بند رکھیں ۔ یہاں تک کہ ان کے چھیلے یہودیوں نے چار سو سے زائد نوآبادیاں قائم کرلیں ۔ اس پر بس نہ کیا بلکہ انتداب اٹھانے سے قبل حیفہ یافہ اور بیت المقدس کے اہم منطقے یہود کے سپرد کر دیئے ۔

معرکۂ فلسطین کا آغاز بینگلو امریکن سازش ظلم وستم اور کامل منصوبہ بندی سے ہوا ۔ اس سے بھی عجیب ترروس کی سازش ہے ۔ اس نے یہودی زعماء سے مواعید کئے تاکہ اس ذریعہ سے مشرق وسطی میں اشتراکیت کے لئے چادر کا چور دروازہ کھولا جاسکے ۔ چنانچہ روسی بلاک کی ریاستوں کو احکام جاری کر دیئے کہ کسی یہودی کو اُس وقت تک فلسطین میں جانے کی اجازت نہ دیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ خالص اشتراکی خیالات رکھتا ہے . . . . . "

تمام منصوبوں کے علی الرغم دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں یہ دیکھکر حیران رہ گئیں کہ جونہی جہاد کی دعوت دی گئی مسلمان گوشے گوشے سے ہزاروں لاکھوں رضا کاروں کی تعداد میں اللہ کی راہ میں جام شہادت پینے کے لئے ارضِ مقدس میں جا پہنچے ۔ حالانکہ مغربی سیاست نے ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں ترکی حکومت کے حصّے بخرے کر کے انہیں چھوٹے چھوٹے وطنی تصوّرات میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا ۔ عرب تل ابیب سے ۱۲ اور ۷ میل تک پہنچ گئے ۔ اب مغربی مخالف حکومتوں کو یقین ہو گیا کہ عرب دوسرے حملہ میں مشرقِ وسطی سے یہود کا جنازہ نکال دینگے ۔ اور یہودی حکومت کو (جو عالم اسلامی کے سینہ پر سوار کی جارہی ہے) تباہ و برباد کر کے رکھ دینگے ۔

اب برطانوی سیاست گھبرا کر حرکت میں آئی اور عارضی صلح کی تجویز کی جو ہمارے لئے موت کا حکم رکھتی تھی ۔ اور ہر جگہ ہماری تباہی کا موجب تھی ۔ یہود کو عارضی صلح سے وہ فائدہ ہوا جو اُن کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا ۔ اس عارضی صلح کے ذریعہ عرب کی پشت پر چھُرا گھونپا گیا . . . . . "

چند سوالات کے جوابات کتاب کے مقدمہ میں دینا چاہتا ہوں ۔ میں پاکستان

میں جہاں کہیں بھی گیا ہوں مجھ سے یہ سوالات دریافت کیئے گئے ہیں :۔ (۱) کیا قرآن میں یہود کی ذلت کی وعید نہ تھی تو پھر اسرائیل کیسے قائم ہو گئی؟ اور انہوں نے سات عرب ملکوں کو کیسے شکست دیدی؟ (۲) اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا فلسطین کا مسئلہ ختم ہو گیا؟

جواب سے قبل میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام پورے نظام کا نام ہے خوابوں کی دنیا کا نہیں۔ نظامِ سلطنت ایک قوت ہے۔ سیاست، جد و جہد اور دفاع ایک قوت ہے اور ان کا حصول ضروری ہے۔ نتائج کا دارو مدار اسی پر ہے۔ ورنہ آنحضرت صلعم پر مکے کی گلیوں میں شدائد نہ ہوتے ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کی ضرورت نہ پڑتی۔ جنگِ احد اور جنگِ حنین نہ ہوتی۔ دراصل یہود کی ذلت مسلمانوں کے اسلامی عمل اور اماناتِ الٰہی کی ایفا کے ساتھ مشروط تھی۔

مسلمان اس اعتبار سے کمزور ہو گئے۔ اپنے فرائض سے بھاگنے لگے اور یہ اللہ کا عین انصاف ہے کہ وہ کمزوری اور تنقصیر کی سزا دے۔ جیسا کہ اُس نے فرمایا :۔ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا میرا خیال ہے کہ یہی مطلب ہے اس آیت کا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ـــــ دوسرے لفظوں میں یہ کہ مسلمان انہیں پناہ دیں اور اہل اللہ پناہ لیں۔ اور اگر مسلمان غلطیوں کے شکار ہوں تو انہیں موقع مل جائے اور وہ کامیاب ہو جائیں۔

نیز یہ نہ بھول جانا چاہئے کہ قوموں کی زندگی اور عروج و زوال کو ہفتوں اور مہینوں سے نہیں ناپا جا سکتا ہے۔ جو کامیابی یہود کو حاصل ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایک ہی دن میں ختم ہو جائے۔ اور وہ دن قریب ہے۔

جب ہم یہ حدیث نبوی صلعم پڑھتے تھے :۔ لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ ثُمَّ لَتَقْتُلُنَّهُمْ (تم یہود سے لڑو گے اور اُن کو ختم کر دو گے) تو ہم حیران ہوتے تھے کہ یہود کو ہم کیسے ختم کر سکیں گے جبکہ وہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن، ایک صدی سے رات دن یہودی ارضِ فلسطین میں جمع ہو کر حدیث پاک کی صداقت کو پورا کرنے کی صورت پیدا کر رہے ہیں اس حدیث پاک کا لفظ "ثم" ظاہر کرتا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے لیکن ایک مدت کے بعد۔

دوسرے سوال کے بارہ میں میرا کہنا یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ وہاں کے ایک کروڑ باشندوں کا یا ۱۰ کروڑ عربوں کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے قبلہ اوّل کا سوال ہے جس کی حفاظت ہم سب پر فرض ہے۔ قضیہ فلسطین، مسئلہ لیبیا، انڈونیشیا، حیدرآباد کشمیر وغیرہ مسلمان کے مریض جسم میں پھوڑے کی مانند ہیں جن کا علاج ہم سب پر واجب ہے۔ دشمن ہمارے جسم کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔ اور وہ دشمن کی شرارتوں کو محسوس نہ کریں گے "مجلس امن" ہو یا "مجلس اقوام متحدہ" کفر ہر جگہ ایک ہے! اور اس کا مقصد اسلام دشمنی کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض

آنحضرت صلعم نے فرمایا **الخیر فی امتی الی یوم القیمۃ** چنانچہ مسلمان عوام کی نگاہیں مرکز پر مرکوز ہیں۔ ضرورت صرف قائد کی ہے جو قیادت کر سکے۔ اگر ان مصائب میں کوئی اور قوم ہوتی تو کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی۔ لیکن مسلمان ارضِ مقدس میں ہو یا کشمیر کے پہاڑوں میں یا انڈونیشیا کی وادیوں میں اس کا خون ہر جگہ گرم و فراواں ہے۔ اس کے دل میں یاس و ناامیدی ہرگز نہیں۔ چونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں پر ایمان ہے "**قل اعملوا**" اور یہ کہ "**لا ییئسوا من روح اللہ**"

ہر مسلمان پر دو فرض ہیں:- اپنے نفس کو پاک کرے۔ اللہ کے حکموں کی اطاعت کرے۔ حلال و حرام میں تمیز کرے۔ اس نے فرمایا۔ **نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم**۔ دوسرے یہ کہ دشمن دیارِ اسلامی پر غالب آئے ہیں۔ اسلحہ اور قوت سے نہیں بلکہ اپنے ناپاک تمدن اور گندی معاشرت سے۔ جب تک ہم انہیں اپنے دل و دماغ سے نہ نکالیں گے ہم اپنے اسلامی وطنوں سے انہیں باہر نہ نکال سکیں گے۔ **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم**

گوشۂ عزلت سے باہر نکل آنا چاہئے۔ اور اپنے بھائیوں کے حالات معلوم کرنے

چاھئیں ۔اِس لئے کہ خیر کی دعوت دینے والا عمل خیر کرنے والے کے قریب تر ھوتا ھے۔اس راہ میں زبان و مال خرچ کرنا ھی باعثِ فلاح ھے ۔ھر داعی کا فرض ھے کہ اپنے آپ کو اس کام کے لیئے وقف کرے۔ دنیا میں پھیل جائے اور پیغامِ حق کو عام کردے۔یہاں تک کہ عزّت و وقار حاصل ھو جائے۔ واللہ غالب علیٰ امرہٖ

میں توقع رکھتا ھوں کہ یہ کتاب ان روشنیوں میں سے ایک اعلیٰ روشنی ھوگی ۔

افتتاحیہ

(علامہ امجد زہاوی۔ سابق چیف جسٹس عراق۔ مندوب موتمر عالم اسلامی)

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی النبی وآلہ اجمعین

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔ **مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الاعضاء بالحمى والسهر** اور فرمایا:۔ **وهم يد على من سواهم**

آج قبلۂ اولیٰ مسلمانانِ عالم کو امداد کے لیے پکار رہا ہے۔ یہ عربوں کا دفاع نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا ہے۔

ارضِ مقدس کی حفاظت و صیانت کو ایک دستور پر چھوڑ دینا مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں اور یہ اسکی استخفاف کی دعوت دینا ہے۔ لہذا اپنی استطاعت بھر اپنی عزت کی مدافعت ہم سب پر فرض ہے۔ مسلمان تمام دنیا کو اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں اس لیے کہ تعداد کے لحاظ سے بھی کافی ہیں اور خود شناسی کی قوت کے لحاظ سے بھی کم نہیں۔ یہی دو امور اپنی قوت منوانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔

امن کے خواہشمندوں کے لیے مسلمانوں کے عمل سے مشعل راہ آسان ہو جائیگی اور وہ ظلم و ستم جو مسلمانوں پر کیے گئے ہیں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ وہ نقشے جو بغیر سوچے بنائے جاتے ہیں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ان سے دنیا کا امن و امان ختم ہو جاتا ہے اور عالم انسانی خطرات سے دوچار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔ وہی سننے والا اور دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

المرشاد —
محمد امجد

مقدمہ

علامہ سعید سنو۔ مندوب تونس۔ مؤتمر عالم اسلامی۔ کراچی (پاکستان)

قضیہ فلسطین ان خطرناک سازشوں میں سے ہے جو مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے منظم کی جاتی ہیں۔ اسلامی ملکوں سے اغیار دوستی کرنے میں یورپ کی حکومتیں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتیں۔ وہ وعدے وعیدے کرتی ہیں اور فوراً توڑ ڈالتی ہیں۔ مسلمانوں سے دوستی جتانے کیلئے لندن اور پیرس کے ریڈیو سٹیشنوں سے قرآن حکیم کی تلاوت اور اسلامی مسائل پر اچھے دار تقریریں نشر ہوتی ہیں مگر افسوس! ہم مسلمان دشمنوں کی سازشوں سے بے خبر خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔ ہمارے رہنما لہو و لعب میں مشغول اور تنہا گمراہی میں پڑے ناک ٹوئیے مار رہے ہیں۔

فلسطین میں عالم اسلام کی شکست مستقبل میں ہماری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہود کے دندان حرص و آز صرف "اسرائیل" پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ یہ راندۂ درگاہ قوم دیگر اقوام کی تائید سے دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی چند سال بعد جارحانہ حملے کرسکتی ہے۔ یہی وہ مکار قوم ہے جس نے اپنے بے مثل جوڑ توڑ اور خیانت سے جرمنی جیسی قوت کو ختم کرادیا۔ بلاشبہ کہ جرمن قوم علم۔ تہذیب و تمدن اور قوت کے لحاظ سے اقوام عالم میں پیش پیش تھی۔ اس کے مقابلے میں عرب قوم کی کیا حقیقت ہے جس کا اتحاد مفقود ہے۔

میری رائے میں مسلمانان عالم قرآن کریم۔ اسوۂ رسول اور طریقۂ سلف صالحین کو ضابطۂ حیات بنائے بغیر اقوام عالم میں سربلند نہیں ہوسکتے۔ کیا وہ اللہ کے دین کو دستور العمل بنانے کا عہد کریں گے؟

باسمہ سبحانہ

پیش نہاد

ارضِ مقدس فلسطین کا مسلمانانِ عالم سے بہت گہرا تعلق ہے جو جغرافیائی حد بندیوں سے بہت بلند و ارفع ہے۔ ارض مقدس کی تقدیس محض قبلۂ اول ہونے کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ یہ پاک سرزمین اللہ کے کئی برگزیدہ انبیاء کی آرام گاہ اور اولیائے کرام کی منزل رہی ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا شرف بھی اس سرزمین کو حاصل ہوا۔ کئی قوموں کے عروج و زوال کی داستان اس کے اندر پوشیدہ ہے اسکے کھنڈرات اور اجڑی ہوئی بستیاں آج بھی پرانی یاد تازہ کرتی ہیں۔ اور دیدۂ عبرت کے لئے پند و موعظت کا باب ہیں۔ پھر اس خطۂ پاک کی بین الاقوامی حیثیت بھی مسلّم ہے۔

ان اوراق کی جمع و تدوین کا مقصد یہ ہے کہ ارضِ مقدس کی جغرافیائی، تاریخی اور مذہبی حیثیت واضح کی جائے۔ عالمِ عرب کی زبوں حالی اور صیہونیت کی مکمل تفصیلات سامنے رکھی جائیں۔ یہود کی قدیم تاریخ، اسلامی حکومت اور موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے۔ اور ان اسباب کو دریافت کیا جائے جو مسلمانوں کے زوال کا موجب ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ کشمکش کی تفصیلات سے زیادہ داستانِ قدیم، جہادِ فلسطین کے پس منظر اور فرنگی وسیسہ کاریوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ آپ پیش نظر کتاب میں پورے ایک سال کے جہاد کا روزنامچہ نہایت جامعیت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو جہادِ فلسطین شروع ہوا۔ اور ۱۵ مئی ۱۹۴۹ء کو یہ کتاب پریس میں جا رہی ہے۔

سیاسی حالات، نشر کائے معرکہ کے کردار، دنیا کی سیاسی کیفیت ہر لحظہ بدل رہی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد صورتِ حال یکسر بدل چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معاملات میں کوئی مستقل رائے اور حتمی پیشگوئی کرنا بے حد مشکل ہے خصوصاً ہمارے لئے جن کے پاس ذرائع معلومات بے حد ناقص، محدود اور یکسر جانبدارانہ و کافرانہ ہیں۔



ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتبار نہ کیا۔ امریکہ نے اس کی آئینی حیثیت کو مانا مگر مسلمانوں نے یقین نہ کیا۔ ہوتے ہوتے ایک سال کے عرصہ میں دنیا کی چھوٹی بڑی پینتیس ۳۵ حکومتوں نے تسلیم کر لیا۔ تو مسلمان اس شش و پنج میں پڑ گئے کہ یہود کی حکومت کیسے قائم ہو گئی؟ یہ ناممکن بات کیسے ممکن ہو گئی؟ ہمارا ایمان تو یہ تھا کہ یہودی "مغضوب" ہیں۔ آزادانہ ریاست قائم نہ کر سکیں گے کیا قرآن و حدیث کی بنیادوں پر ہمارا قائم شدہ عقیدہ ہی غلط تھا؟ کتاب کے ایک باب میں اس سوال پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ امید ہے قارئین کرام اسے پُر مغز پائیں گے۔

قضیۂ فلسطین کا ایک بڑا سبق آرزو اور عزم کی پختگی ہے۔ یہود ایک دو سال یا صدی دو صدی نہیں، بلکہ پانچ ہزار سال محکوم و مغلوب رہے۔ وہ دنیا کے ہر ملک میں تختۂ ظلم و ستم بنے مگر ہر یہودی ماں نے اپنے بچے کو دودھ کے ساتھ یہی سبق دیا کہ ارضِ مقدس ان کی ہے اور اس کا حصول ان پر فرض ہے، ہر باپ نے بیٹے کو اس فریضہ کے انجام کی وصیت کی، دیوارِ گریہ کو چمٹ کر رونے والوں نے اس حصول کی تمنا کو مقصودِ گریہ بنایا۔ ہر پیر و جوان نے اس آرزو کو زندہ رکھا اور پانچ ہزار سال تک زندہ رکھا ——— اور آخر اس کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

کیا مسلمان صرف ایک سال کی کشمکش اور اپنے خود کردہ گناہوں کی پاداش میں سزا پانے پر تفرقہ کے نتیجہ میں ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنے پر دل چھوڑ دیں گے؟ ہمت ہار دینگے؟ نہیں زندہ قوموں کا اور زندگی کی آرزومند قوموں کا شعار یہ نہیں ہوا کرتا



میں اپنے محترم الحاج عبدالخالق ریاض ناظر عمومی جامعہ اسلامیہ لاہور سیاح بلادِ اسلامیہ و ممالک یورپ کا ممنون ہوں جو اس کتاب کی تحریر کے محرک ہوئے۔ اور جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ایم۔ اے پی ایچ ڈی (علیگ) کا خاص طور پر شکرگزار ہوں جن کی وسیع معلومات سے ہر وقت استفادہ کیا جزاہ اللہ احسن الجزا۔ اور شریف راہ جنہوں نے سُرخی سے کتاب کی معنویت میں اضافہ کیا۔

جناب سید سعید رمضان۔ علامہ امجد زاہدی۔ علامہ سعید سنو اور پروفیسر حسن الاعظمی کا دل شکریہ کہ انہوں نے اپنی تحریروں سے نوازا۔ موقر الشیوع جرائد و رسائل کے نامہ نگار اور مضامین نویس اصحاب کے علاوہ بندہ مندرجہ ذیل کتب کے مصنف اور ناشر صاحبان کا خاص طور پر شکرگزار ہے

جن کُتب سے استفادہ کیا گیا

۱ - جی۔ بی اسٹرینج کی کتاب "بلاد فلسطین و شام" مترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی عثمانیہ یونیورسٹی (دکن)

۲ - ریگیل ہاف مین کی کتاب "رہنمائے فلسطین" (

۳ - وہٹا کرالمانک (طبع ۱۹۴۸ء) ۴ - انسائیکلو پیڈیا آف برطانیکا۔

۵ - "جغرافیہ قرآن" از مفتی محمد انتظام اللہ اکبر آبادی

۶ - "دین و دولت" از مولانا سید محمود علی پروفیسر رندھیر کالج ۔ ۷۔ آشوب فلسطین

۸ - "فلسطین اور مسئلہ یہود" از محمود بریلوی۔ الہ آباد۔

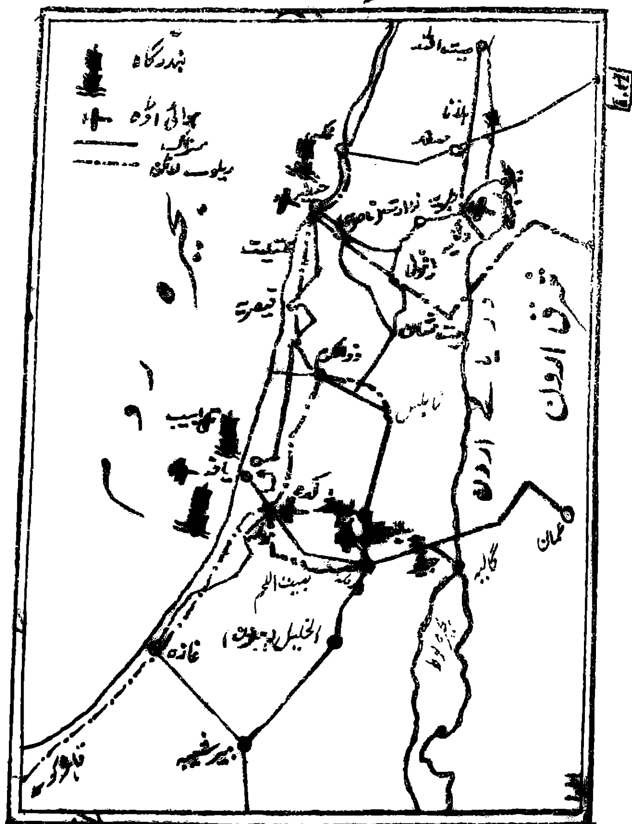
۹ - ان کے علاوہ رائٹر اور رشار کی اطلاعات نیز مصر کے متعدد عربی روزنامے۔

نذیر احمد

جامعہ اسلامیہ
لاہور

۱۵-مئی ۱۹۴۹ء ۔ ۱۶ رجب ۱۳۶۸ھ

ارضِ مقدس (فلسطین)



جغرافیائی حقائق

چند عنوانات

طائرانہ نظر

حدود اربعہ

آبادی اور یادگار

زبانیں اور مذہب

مذہبی آثار

تاریخ ہیکل

مسجد اقصیٰ

دوسرے آثار

مسئلہ فلسطین پر ایک طائرانہ نظر

رقبہ کے لحاظ سے فلسطین کا علاقہ اس قدر مختصر ہے کہ اُسے ایک مُلک کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے فلسطین کی کل آبادی ضلع لاہور کے برابر ہے لیکن علاقہ ضلع لاہور سے بھی کم ہے۔ یعنی ۱۴۷۹ مربع میل۔ اس مقدس سرزمین نے اس قدر انقلاب دیکھے ہیں کہ شاید ہی دنیا کا کوئی حصہ ان سے دوچار ہوا ہوگا۔ کتنے ہی بادشاہوں اور شہنشاہوں کا عروج و زوال اور کتنی ہی سلطنتوں اور حکومتوں کا اقبال و ادبار اس سرزمین پاک میں ہوا۔

فرعونِ مصر کے مقہور اسرائیلیوں کو اس سرزمین نے پناہ دی۔ اللہ کے بہت سے برگزیدہ انبیاؑ نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ حضرت یعقوب، موسیٰ، داؤد، اور عیسیٰ علیہم السلام کے نقوشِ پا آج بھی اس سرزمین کی تقدیس کو بلند کر رہے ہیں۔ اللہ کے آخری نبی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج ارضِ مقدس کو ہی اپنی پہلی منزلِ بنایا۔ اور انبیائے کرامؑ کی امامت کی۔ اس سے بڑھ کر کسی خطۂ ارض کے لیئے اور کیا شرف ہوسکتا ہے؟

دنیائے اسلام آج آشوبِ فلسطین کے جس ابتلا میں گرفتار ہے۔ یہ برطانوی سیاست، امریکی عیاری اور یہودی سرمایہ داری کا ایسا جال ہے جس نے پورے عالمِ اسلامی کو اپنے چنگل میں لے لیا ہے۔ موجودہ جنگِ فلسطین غریب عرب اور خود ساختہ اسرائیلی ریاست کے درمیان نہیں۔ بلکہ اسلامی دنیا اور یورپ کی تمام استعمار پسند طاقتوں کے درمیان ہے۔ یہودیوں کے ساتھ نہ صرف برطانیہ

اور امریکہ کی شہنشاہیت پسند حکومتیں ہیں۔ بلکہ حریت کا دعویدار اور غریبوں کا حامی روس بھی اسرائیل کی پشت پناہی پر ہے

مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ متضاد عناصر ان کی مخالفت پر یوں متحد نہ ہوں گے۔ لیکن یہ ایک غلط فہمی تھی۔ کفر خواہ سفاک سکھ کی صورت میں ہو یا ہندو بنیا کی شکل میں۔ عیسائیت کے روپ میں ہو یا یہودی لباس میں یا بلکہ لا مذہب کفر بھی ایک ہی ہے۔ اور ایک ہی مقصد کا حامل۔ فلسطین میں یہودی اقتدار کا مقصد اس شدید حملہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو کراچی سے قاہرہ بلکہ جبل الطارق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہودی حکومت کا قیام ممالک عرب یا اعراب فلسطین کے لئے ہی نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ اور تمام اسلامی حکومتوں کو ہمیشہ کے لئے معرضِ خطر میں رکھنے کے لئے ہے۔ یورپ کو ڈر ہے کہ کہیں اسلامی ممالک کا بلاک اُن کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ اور یہ سویا ہوا شیر کسی وقت بیدار ہو کر اُن کو ماضی کی بدکرداریوں کی سزا نہ دے۔

موجودہ جنگِ فلسطین ایک سزا ہے۔ ہماری سابقہ غلط کاریوں اور باہمی انتشار کی۔ غلط سیاست اور ناقص طریق کار کی۔ غیروں سے اتحاد اور اپنوں سے مخالفت کی۔ اسلام سے دشمنی اور کفر کے ساتھ اتحاد کی ہم اس داستان کو شروع کرنے سے پہلے فلسطین کی قدیم تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ موجودہ جنگ کا تاریخی پس منظر اور صحیح صورتِ حال سامنے آ جائے۔

حدود اربعہ اور زمین

فلسطین کو قدیم زمانہ میں کنعان بھی کہتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک یہ شام ہی کا حصہ تھا۔ یہ ملک ابتداء سے مرکز انبیاء رہا ہے۔ اس لئے کم بیش اہل کتاب کے لئے مقدس و متبرک ہے۔ فلسطین کے شمال میں تمام و لبنان کے علاقے ہیں۔ جنوب میں بحیرہ روم ہے جس کے ساحل پر یافہ بیروت او تل ابیب وغیرہ مشہور شہر ہیں۔ جنوب مغرب میں مصر اور صحرائے سینا ہیں۔ جنوب مشرق میں شرق اردن ہے۔ اور مشرق میں بحر لوط و بحیرہ الیقہ۔

فلسطین کا کل رقبہ ویلز کے برابر اور ضلع لاہور سے کچھ کم تقریباً ۱۴۲۹ مربع میل ہے۔ زمین عام طور پر سرسبز و شاداب ہے علاقہ کا کثیر حصہ پہاڑی ہے۔ لیکن پہاڑ زیادہ بلند نہیں ہیں غلہ بکثرت پیدا ہوتا ہے منطقہ حارہ میں ہونے کی وجہ سے فلسطین میں دن کی لمبائی دس سے چودہ گھنٹہ تک ہوتی ہے۔ درجہ حرارت سالانہ اوسطاً ستر ڈگری ہوتی ہے۔ اور بارش تقریباً اٹھائیس ۲۸ انچ سالانہ ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں فلسطین کی اسرائیلی آبادی ۱۲ قبائل میں منقسم تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ارض مقدس کے چار مشہور اضلاع تھے الخلیل۔ سماریہ۔ جوڈیہ اور طبریہ۔ اس کے بعد حدود اربعہ اور ضلع وار تقسیم ہمیشہ گھٹتی بڑھتی اور بدلتی رہی۔ اب جنگ کے بعد تو نقشہ ہی بدل چکا ہے۔

آبادی اور آباد کار

فلسطین کی آبادی دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یعنی خانہ بدوش اور مستقل۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد انہی خانہ بدوش لوگوں کی ہے۔ جو عام طور پر "بدو" کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ مفلس اور نہایت آزاد منش ہیں۔ ان کا پیشہ لوہاری اور نجاری ہے۔ اور ان کی زبان ایک قدیم رومی ہے۔ جس میں عربی کا امتزاج کافی حد تک ہے۔

مستقل آبادی میں وہ زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ جو ابھی تک نسلی امتزاج سے پاک ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی آبادی ابھی تک مخلوط رہی ہے۔ جن میں زیادہ عنصر عربوں کا رہا ہے۔ عربوں میں الخالدی اور الحسینی خاندان بڑے با اثر اور باوقار خاندان شمار کئے جاتے ہیں۔ یوں آبادی مسلمان۔ ارمنی عیسائی اور یہودیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے اکثر عربی اور سامی النسل ہیں۔

غیر ملکی لوگوں میں فلسطین کے اندر مندرجہ ذیل آبادی خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ ترکی جو بہت قلیل ہیں۔ ارمنی۔ یونانی اور اطالوی جو اکثر تاجر پیشہ ہیں ترکمان جن کی صرف ایک نو آبادی جولان میں ہے۔ ایرانی قلیل تعداد میں ہیں۔ مگر افغانوں کی معقول تعداد یافہ میں آباد ہو چکی ہے۔ گلیلی اور مشرقی فلسطین میں سوڈانی اور الجیریا کے باشندے بکثرت آباد تھے۔ نابلس (NABLUS) میں سامری لوگ آباد ہیں جو اپنی نسل اور معاشرت میں ہرگز امتزاج نہیں ہونے دیتے۔ اور روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔

عیسائیوں میں عام باشندے اس قدر زیادہ نہیں جتنے راہب اور پادری لوگ موجود ہیں جو مختلف گرجوں اور معبدوں میں مقیم ہیں۔ یہودی تمام دنیا سے ارض مقدس میں چلے آ رہے ہیں۔ اُن کی آمد سے ملکی توازن یکسر ختم ہو گیا ہے اور آبادی اس قدر تیزی سے بڑھی کہ تصوّر میں نہیں آتی۔

رپورٹ مردم شماری

۲۳۔ اپریل ۱۹۲۲ء کے حساب سے تقریباً آٹھ لاکھ افراد آباد تھے۔ ان میں سے کم و بیش

مسلمان	چھ لاکھ	۶،۰۰،۰۰۰
عیسائی	تہتر ہزار	۷۳،۰۰۰
یہودی	تراسی ہزار	۸۳،۰۰۰
دروزی	سات ہزار	۷،۰۰۰
سماری	ڈیڑھ سو	۱۵۰
بہائی	ڈھائی سو	۲۵۰

۱۹۲۶ء میں مجموعی آبادی تخمیناً نو لاکھ ہو گئی۔

۱۹۴۷ء میں یہودی ہزاروں سے بڑھ کر (۶،۰۷،۲۳۰) ہو گئے۔

زبانیں اور مذہب

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے۔ ارض مقدس میں مسلمان اکثریت کے علاوہ

یہودی، عیسائی، دروزی، سامرتی اور بہائی اقلیتیں بستی ہیں۔

ملک کی زبانیں بکثرت ہیں۔ اس صدی کے آغاز میں لسانی تحقیقات سے معلوم ہوا۔ کہ صرف شہر بیت المقدس میں پچاس زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سرکاری زبانیں عربی۔ انگریزی اور عبرانی ہیں۔

ارض مقدس میں مذہبی آثار

سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آیت ۱)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات سیر کرائی مسجد حرام (کعبہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (ارض مقدس) تک جس کے گرد و نواح کو ہم نے برکت عطا کی ہے۔ تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں۔ یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے"

واقعہ معراج نبوی صلعم کی اس بحث میں مسجد اقصیٰ اور اس کے گرد و نواح کو برکات الہٰی کا مورد اور معراج کو آیات الہٰی کے مشاہدہ کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ لیکن کس قدر عجیب بات ہے کہ ہم ایک طویل عرصہ سے معراج کے جسمانی اور روحانی ہونے پر تو جھگڑ رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے حق میں دلائل کے طومار کھڑے کر رہے ہیں۔ بحث مباحثہ کے لئے مناظرے بپا کر رہے ہیں۔ مگر غور نہیں کرتے اُن برکات خداوندی پر جو مسجد اقصیٰ کے اطراف میں بتلائی گئی ہیں۔ اور فکر نہیں کرتے اُن آیات و نشانات خداوندی پر جن کی طرف یہ آیات توجہ دلا رہی ہے۔

قرآنِ حکیم کے جملوں کے درمیان والے گول گول نشان، احکام خداوندی اور قدرت الٰہی کے کرشمے آیات کہلاتے ہیں۔ چنانچہ کتاب پاک میں گزشتہ اقوام کی بستیوں کو، گرے ہوئے مکانات کو کھنڈرات اور قدیم آثار کو۔ اور غیر معمولی حادثات و واقعات کو آیاتِ الٰہی سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ چشم بینا اور عبرت گیر قلوب ان سے عبرت و موعظت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اس تمہید کے ساتھ آپ اس باب کو مطالعہ فرمائیں۔ آپ کو ہر صفحہ اور ہر سطر میں قدرت کے ان نہ مٹنے والے نشانات اور انسانی عروج و زوال کی داستان کے بکھرے ہوئے آثار و نشانات نظر آئیں گے۔

بیت المقدس

بیت المقدس فلسطین کا مقدس ترین مرکزی شہر ہے۔ اس کا تلفظ بیتُ المقدس کیا جاتا ہے۔ البتہ بیتُ المقدس بھی غلط نہیں۔ اسے القدس اور یروشلم (JARUSA LEM) بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی "خدا کی حکومت" ہیں۔ یہ شہر بحیرہ روم کے ساحل سے ۴۰ میل دور ایک نشیب میں آباد ہے۔ اور سطح سمندر سے تقریباً ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ بیت المقدس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جس قدر کہ نسل انسانی اور اس کی تاریخ۔ یہ مقدس شہر کتنی ہی بار اُجڑا اور پھر اسی نا پائی کے ساتھ آباد ہوا حملہ آوروں نے کئی بار اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مگر آباد کاروں نے

پھر اس جوش و خروش سے تعمیر و مرمت میں حصہ لیا۔ یہودی اس شہر کو "خدائی مسکن" کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ شہر قیامت تک قائم رہے گا۔ روم کے متعلق اطالویوں کا بھی یہی عقیدہ ہے

۱۹۱۴ء میں بیت المقدس کی آبادی صرف چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) تھی۔ ۱۹۳۱ء میں پچھتر ہزار ۷۵۰۰۰ ہو گئی۔ بڑھتے بڑھتے ۱۹۳۹ء میں سوا لاکھ (۱۲۵۰۰۰) اور ۱۹۴۱ء میں ایک لاکھ چھبیس ہزار (۱۲۶۰۰۰) تک جا پہنچی۔ مسلمان، یہودی، عیسائی تینوں اقوام آباد ہیں۔

بیت المقدس کے تفصیلی حالات آپ کتاب کے باب نمبر ۷ میں "فلسطین میں چار حکومتوں" کے عنوان کے ماتحت مطالعہ فرمائیں گے۔ اس لئے یہاں اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اس شہر میں اسلامی، مسیحی اور اسرائیلی تاریخی آثار بکثرت ہیں جو بابِ مذکور میں آپ کو ملیں گے۔ یہاں صرف مسجد اقصیٰ کے حالات پیش کئے جاتے ہیں۔

تاریخ ہیکل

مسجد اقصیٰ کی تفصیلات سے قبل ہم تاریخ ہیکل بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پس منظر سامنے آ جائے۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے ہمراہ صحرا میں مارے مارے پھرتے تھے تو اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک "خیمہ عبادت" بنانے کا حکم دیا۔ یہ خیمہ وہ ہر جگہ اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتے تھے۔ اس میں کئی حصے تھے عود سوز۔ قیامِ عبادت اور تابوتِ سکینہ کی جگہ وغیرہ۔ حضرت

طالوت کے زمانہ تک یہ خیمہ کپڑے کا ہی رہا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اس خیمہ کو یروشلم میں "کوہ صیہون" کے اس مقام پر نصب کیا جہاں حضرت یعقوبؑ کے خواب میں اللہ تعالیٰ اسے ہمکلامی کی تھی۔ اور اس جگہ "بیت ایل" (اللہ کا گھر) بنایا تھا۔

حضرت داؤد نبی کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کی وصیت کے مطابق خیمہ عبادت کی جگہ "ہیکل" کی مستقل عمارت تعمیر کی۔ یہ واقعہ طوفان نوحؑ سے ۱۴۴۰ سال بعد اور میلاد مسیحؑ سے ۱۰۰۰ سال قبل کا ہے۔ سات سال کے عرصہ میں اس عمارت کی تکمیل ہوئی۔ عمارت نہایت شاندار تھی اور بنی اسرائیل کا مقدس مرکز۔ مگر تعمیر ہیکل کے ۴۱۵ سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل کو جلا ڈالا۔

اس تباہی کے ۷۰ سال بعد خسرو شاہِ ایران کی کوششوں سے از سرِ نو ہیکل کی تعمیر ہوئی۔ جو سات سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ۷۰ء میں رومی سپہ سالار طیطوس کے ہاتھوں دوبارہ ہیکل جلکر خاکستر ہوا کتابِ مقدس کا واحد مستند نسخہ بھی نذرِ آتش ہو گیا۔ ہیکل اور یروشلم کی تباہی کا یہ عالم تھا کہ شہر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہل چلا دیئے گئے تھے۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر

۱۵ھ میں یعنی ہیکل کی آخری تباہی کے ۵۶۹ سال بعد حضرت عمرؓ

کے عہد میں جناب ابو عبیدہؓ کے ہاتھوں بغیر جنگ کے یروشلم (بیت المقدس) فتح ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عیسائیوں نے شہر کی کنجیاں مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت عیسائیوں کے مذہبی پیشوا سے تعمیر مسجد کے لیئے مناسب جگہ دریافت کی۔ اس نے ہیکل کے اُجاڑ ویرانہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ یہی سلیمانی ہیکل" کا مقام ہے۔ جہاں حضرت یعقوب کا "بیت ایل" اور حضرت داؤد کا خیمہ عبادت" تھا

حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے زمین صاف کرنی شروع کر دی۔ اور مسجد کی بنیاد ڈالی مسلمانوں کا جم غفیر تعمیر میں مصروف ہو گیا۔ پندرہ سو فٹ لمبا اور ایک ہزار فٹ چوڑا احاطہ تعمیر کیا گیا جسے "حرم شریف" کہتے ہیں۔ اس احاطہ میں نارنگی زیتون اور سرو کے درخت لگائے گئے۔ جو آج بھی شوکتِ پارینہ کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ حرم کے جنوبی حصہ میں ایک وسیع مسقف جگہ مسجد کے لیئے مخصوص ہے۔ اسے عام طور پر "مسجد عمرؓ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

حرم کے وسط میں ایک چبوترہ ہے، جس پر ستونوں کے سہارے ایک خوبصورت گنبد بنایا گیا ہے۔ اس حصہ کو صخرۃ اللہ یا اختصار کے اعتبار سے "الصخرۃ" کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے "ڈوم آف دی راک" کہتے ہیں۔ دہلی کا "مقبرہ ہمایوں" بالکل اسی کے طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کی خوبصورت ترین عمارات میں سے ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں عیسائیوں نے مسجد کو قربان گاہ کی صورت میں بدل دیا۔

حرم کی شمالی دیوار کے ساتھ حجرے ہیں جن میں ترکوں کی شکست سے قبل

قدیم عربی یونیورسٹی تھی۔ مغربی دیوار کے ساتھ والے برآمدہ وار حجروں میں شریف حسین (شریف مکہ) کی قبر اور مسلمانانِ ہند کے محبوب رہنما مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی آخری آرام گاہ ہے۔ حرم شریف کی اس مغربی دیوار کے بیرونی حصہ کو یہودی "المبکی" (دیوار گریہ) کہتے ہیں۔ جنوبی اور مشرقی دیواریں شہر کی فصیل کا کام دیتی ہیں۔ حرم کے چار دروازے ہیں۔ (باب المشرقی (جو بند ہے) باب المغربی۔ باب الغنیام اور باب الحنیفیہ (یہ دونوں دروازے بھی بند ہیں) حرم کے جنوب مغربی حصہ میں ایک "عجائب خانہ" ہے۔ جس میں قدیم نوادرات اور عجائبات محفوظ کیے گئے ہیں۔

دوسرے آثار

ارض مقدس کے ان پہاڑ اور چشموں کا تذکرہ ابتدا میں کیا جاتا ہے۔ جو کسی نہ کسی اعتبار سے خاص امتیاز اور یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوشش تو یہی کی گئی ہے۔ کہ مقامات کے متعارف نام استعمال کیے جائیں۔ اور ساتھ ہی غیر معروف اور قدیم بھی لکھ دیئے جائیں۔ لیکن اگر کہیں مسامحت رہ گئی ہو۔ تو قابل درگزر ہوگی۔ عبرانی زبان میں "طور" عام طور پر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ لیکن اصلاح میں یہ لفظ خاص پہاڑوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ مثلاً طور سینا۔ طور زیتون وغیرہ۔

الطور

الطور ایک خاص پہاڑ کا نام ہے اسے ٹیبور یا تبر بھی کہتے ہیں۔ یہ

طبریہ کے شمال میں نابلس کے اوپر واقع ہے۔ سامری لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں یہودی بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو یہیں قربانی کا حکم ہوا تھا۔ سلطان صلاح الدینؒ کے بھتیجے ملک معتصم عیسٰی نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ جو آجکل شکستہ حالت میں ہے۔ اس پہاڑ کا ذکر توریت مقدس میں بھی موجود ہے۔

طور زیتا

بیت المقدس کے مشرق میں یہ پہاڑی واقع ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہاں ستر ہزار نبی بھوک سے ہلاک ہوئے۔ حضرت عیسٰی نے اسی پہاڑ پر وعظ کیا تھا۔ کوہ تابور کو بھی جو طبریہ میں واقع ہے طور زیتا کہتے ہیں۔ جبل زیتون اور بیت المقدس کے درمیان صرف ایک وادی ہے جسے "وادی جہنم" کہتے تھے۔ اسی جبل زیتون سے ہو کر حضرت عمرؓ (خلیفہ ثانی) شہر میں داخل ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اُن کی آمد پر نہایت مسرت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا۔ اس یادگار میں اس پہاڑی کو "جبل تکبر" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

طور ہارون

"ہارونؑ" وہ بلند پہاڑ ہے۔ جو بیت المقدس کے جنوبی علاقہ میں پھیلا ہُوا ہے۔ ہارون علیہ السلام کا مقبرہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے وفات بھی اسی پہاڑ پر پائی تھی۔ جبکہ وہ حضرت موسٰی

کے ہمراہ پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔

طور سینا

بیت المقدس سے دو سو میل کے فاصلے پر مصر و شام کے درمیان واقع ہے جو بحیرہ قلزم سے بہت قریب ہے۔ طور سینا طبعی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے شمالی حصہ چونے کے پتھر کی قسم سے ہے اور اسے "بادیہ التیہہ بنی اسرائیل کہتے تھے طور سینا کے قریب ہی "جبل موسیٰؑ" ہے۔ جہاں آپ نے جلوۂ خداوندی دیکھا تھا جزیرہ نمائے سینا میں بنی اسرائیل بارہ برس تک من و سلویٰ کھاتے رہے۔ طور سینا کے قریب "الامن" یا "الیم" نامی ایک گاؤں ہے جہاں اس دشت نوردی کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں نے پڑاؤ کیا تھا۔

طور سینا پر بارہ چشمے ہیں۔ اور اس پر ایک گرجا بھی ہے یہاں زیتون کے درخت بکثرت ہیں۔ غالباً قرآن پاک کی سورہ نور بنیتسویں آیت میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ ادریسی کا بیان ہے کہ طور سینا کی چوٹی پر ایک مسجد ہے جس میں ایک کنواں ہے جس سے راہ چلتے مسافر سیراب ہوتے ہیں۔ یہی مقام ہے جہاں جلوۂ خداوندی دیکھ کر حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو گئے تھے۔

جبل الجلیل۔

شام کے ساحل پر حمص کی طرف پھیلا ہوا پہاڑ جبل الجلیل کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا سلسلہ دمشق تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کے نزدیک "سحر" نامی ایک گاؤں تھا جس میں حضرت نوحؑ رہتے تھے۔ طوفانِ نوحؑ غالباً یہیں سے شروع ہوا تھا حضرت مسیحؑ اس پہاڑ پر بھی اپنی سیاحت کے دوران میں

تشریف لائے۔ اور انہوں نے لوگوں کو خوشخبری دی کہ یہ علاقہ کبھی قحط کی مصیبت میں گرفتار نہ ہوگا۔

ارضِ مقدس کے یہ چند مشہور اور تاریخی پہاڑ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار چھوٹے بڑے ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظرانداز کیا جاتا ہے مثلاً جبل عاملہ، جبل عوف، جبل صدیقہ، جبل النصیریہ، اجبل الشیخ وغیرہ ان میں سے ہر ایک کی تاریخ جدا ہے۔ اور بے شمار تاریخی واقعات اور حوادثِ روزگار ان سے وابستہ ہیں۔ ضرورت ہے چشم بینا کی اور عبرت گیر دل و دماغ کی۔

اُردن:-

بیت المقدس سے تقریباً ۱۲ میل دور دریائے اُردن بہتا ہے۔ اسی دریا سے حضرت مسیحؑ نے اصطباغ (بپتسمہ) لیا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی ہر سال یہاں زیارت کو آتے ہیں اور پانی بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ یہی دریا ہے جس کی نسبت سے شرق اردن کے نام والی سلطان عبداللہ کی حکومت قائم ہے

وادیٔ جہنم:-

بیت المقدس کے مغرب اور جنوب کی گھاٹی کو یہودی "جے۔ بن۔ ہوم" (وادیٔ جہنم) کہتے تھے۔ مگر مسلمانوں نے شہر کی مشرق والی گھاٹی کو وادیٔ جہنم کہا۔ یہ وادی حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور قدیم زمانہ میں اس مشرقی وادی کو کیڈرون یا جیہو شیفٹ کہتے تھے۔

جوئیل نبی کے صحیفے کے باب سوم آیت ۲ میں اس کا ذکر موجود ہے جس کی بنا پر یہود نے اسے میدان حشر قرار دیا۔ اور بعض مسلمان اسے مفروضہ "پل صراط" کی جگہ قرار دینے لگے۔

وادی جہنم کے متصل میدان کو "الساہرہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس جانب کے دروازے کو بھی باب الساہرہ کہتے ہیں۔ وادی میں انگوروں کا باغ مکہ چاہ راہبوں کے غار، حجر سے اور بے شمار مقابر ہیں۔ قریب ہی وہ گرجا ہے جس میں حضرت مریم صدیقہ کا مزار ہے۔ وادی کی ڈھلوانوں پہ بہت سی قبور ہیں۔ جن میں صحابہ کرام مدفون ہیں۔ وادی کے اس حصہ کو "مقبرۃ الساہرہ" کہتے ہیں۔

اب ہم بیت المقدس کے ارد گرد کی چند بستیوں کا ذکر کرتے ہیں جو قدرت خداوندی اور نشانات الٰہی کے بے شمار نظارے پیش کر رہی ہیں۔

بیت اللحم:

بیت المقدس کے جنوب میں ۵ ½ میل کے فاصلہ پہ بیت اللحم کی بستی ہے جو سطح سمندر سے ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں زیتون کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ کہتے ہیں ان درختوں کے نیچے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے لوگ ان درختوں کے پتوں کو بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ اور پادری اپنی چاندی بناتے ہیں۔ بڑے دن کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں زیارت کو جاتے ہیں۔ اور رسوم حج ادا کرتے ہیں۔

بیت المقدس سے بیت اللحم کو جاتے ہوئے راستہ میں مقبرۂ راحیل (RACHEL) واقع ہے۔ راحیل حضرت یوسفؑ کی والدہ کا نام ہے۔ اس مقبرہ کی تصویر متحدہ فلسطین کے ڈاک کے ٹکٹوں پہ ہوا کرتی تھی۔ قریب ہی "بیت عبلا" نامی عیسائی بستی ہے جہاں حضرت داؤد اور سلیمانؑ نے اپنا بچپن انہی پہاڑوں اور میدانوں میں گزارا تھا۔

بیت اللحم کی آبادی میں اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ اُن کا لباس اور وضع

قطع ابھی تک قدیم تہذیب کا زندہ نشان ہے۔ یہاں عیسائیوں کا سب سے مقدس گرجا ہے جسے (BASILICA OF THE NATIVITY) کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر ۳۳۰ء میں ملکہ ہلینا نے کرائی۔ یہ دنیا کے قدیم ترین گرجوں میں سے ہے۔ اس گرجہ میں ابھی تک اُس کھجور کا ٹکڑا محفوظ بتلاتے ہیں جس کا پھل حضرت مریم صدیقہ نے کھایا تھا۔

یہاں بہت سے لاطینی اور امریکن گرجے بھی ہیں۔ اور یہ فخر فرشتوں کے گرجے یعنی (ANGLICAN CHURCH) کو ہی حاصل ہے کہ ٹیبے دن کو اس میں گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ اور اُن کی آوازیں اور سرود ریڈیو کے ذریعے تمام دنیا میں نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ گرجا ان فرشتوں کے نام پر بنایا گیا ہے جنھوں نے گڈریوں کو ولادتِ مسیح کا مژدہ سنایا تھا۔ حضرت عمرؓ جب یہاں تشریف لائے تو تعمیرِ مسجد کی خواہش ظاہر کی۔ لوگوں نے ایک گھر پیش کیا۔ جو قبلہ رُخ بنا ہوا تھا۔ اسے مسجد کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور گرجے کو بدستور رہنے دیا گیا۔ یہ مسجد عمرؓ آج تک موجود ہے۔

الخلیل (HEBRON)

سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر الخلیل بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ الخلیل کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ مثلاً خلیل الرحمٰن، مسجد ابراہیم، حبرون اور حبرلہ یہ بستی پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں ہے اور بیت المقدس سے صرف بیس میل دور ہے۔ مکفیلہ کے غار یہیں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس بستی میں بسر کیا ہے۔ اپنی بیوی حضرت سارہؓ کی وفات پر ایک

خاص غار خاندانی قبرستان کے لئے خرید لیا۔ اس میں حضرت سارہؓ۔ حضرت ابراہیم حضرت اسحٰقؑ اُن کی زوجہ جناب رابقہ اور حضرت یوسفؑ کے مزارات ہیں حضرت یوسف کا انتقال مصر میں ہوا تھا۔ اور آپ وہیں دفن ہوئے تھے۔ مگر ہم سو سال بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت موسیٰؑ لاش کا تابوت اپنے ہمراہ ارض مقدس لے آئے اور یہاں دفن کیا۔ قبرستان کے احاطہ کو حرم حبرون کہتے ہیں۔

حرم حبرون پر ایک شاندار اور خوشنما مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ یہ بستی خالص مسلمانوں کی ہے۔ موجودہ انقلاب سے پیشتر پوری کی پوری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اور ملت ابراہیمی صحیح معنوں میں ابراہیمی خاک کی محافظ اور وارث تھی۔ مسجد کے قریب قدیم ایام میں ایک مسافر خانہ بھی تھا۔ جہاں آنے جانے والوں کے قیام و طعام کے انتظامات تھے۔ مسافر خانہ کا خرچ آنحضرت صلعم کے صحابی جناب تمیم الداریؓ اور دوسرے بزرگوں کے اوقاف سے پورا ہوتا تھا، اور یہ نشانی تھی اس شہر کے بانی حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کی۔

بیر شیبہ

جو سڑک بیت المقدس سے بیت اللحم اور الخلیل کو جاتی ہے۔ وہی بیر شیبہ کو پہنچ جاتی ہے۔ قدیم ایام میں یہ ایک ممتاز یہودی مقام تھا۔ مگر اب یہاں بدو آباد ہیں۔ اور یہ جگہ ارد گرد کی بدو آبادیوں کا مرکز ہے۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی افواج نے اس جگہ سے یلغار کر کے غازہ فتح کیا تھا۔ موجودہ خلفشار میں مصری افواج نے اس مقام پر اسرائیلیوں کا سخت مقابلہ کیا۔ اور کئی بار اخبارات میں اس کا نام آیا۔

عین کرم (AIN KAREM)

یہ قصبہ بیت المقدس سے پانچ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے درمیان ہے۔ یہاں زیتون اور انجیر کے درخت بکثرت ہیں۔ یہ ایک قدیم عرب بستی ہے۔ جو تقریباً چار ہزار سال قبل سے موجود ہے۔ پسلوں کے ٹکڑے جو یہاں ملتے ہیں۔ ان سے ہوتا ہے کہ تاریخی دور سے قبل بھی یہاں آبادی موجود تھی یہی وہ مقام ہے جہاں سلطان صلاح الدینؒ کے ساتھ عیسائیوں کے سخت معرکے ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں عین کرم کی آبادی تین ہزار تھی۔ زمین کی زرخیزی اور پانی کی بہتات کی وجہ سے دور و نزدیک کے عرب یہاں آباد ہو گئے۔

انیسویں صدی کے وسط میں روس سے قومی تحریک کی صورت میں عیسائی ترک وطن کر کے ارض مقدس میں آنے شروع ہوئے۔ تو انہوں نے عین کرم کو بھی اپنا مرکز بنایا۔ یہاں پہاڑی پر ایک خوبصورت گرجا کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے ارد گرد تارکان وطن کے لئے چھوٹے چھوٹے مکانات تعمیر کئے۔ پادری اور نن آباد ہوئے انقلاب روس کے بعد مہاجرین کی آمد اور مالی امداد بند ہو جانے پر گرجا کی تعمیر رک گئی

لدہ (LYDDA)

قدیم ایام میں ارض مقدس کا پایۂ تخت تھا۔ شہر کے علاوہ پورے ضلع کو بھی لدّہ کے نام سے موسوم کرتے۔ حضرت مسیحؑ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ یہاں بسر کیا۔ چنانچہ ایک مکان حضرت مریمؑ کا بتلایا جاتا ہے۔ مسیحی اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ عام روایت مشہور ہے کہ حضرت مسیح دجال کو یہیں قتل کریں گے۔

شہر میں سینٹ جارج کا کلیسا اور جامع مسجد قابل دید مقامات سے ہیں۔

جافہ (یافہ)

یہ شہر ایک قدیم تاریخ رکھتا ہے۔ اور ارض مقدس کی بہترین بندرگاہوں میں سے ہے۔ "پرانا شہر" شکستہ فصیل کے اندر ہے۔ اور جدید عمارات اس کے باہر ہیں۔ جو بالکل جدید طرز کی ہیں۔ یہاں متعدد بنک، سینما، ہوٹل اور ہر قسم کی دکانیں ہیں۔ آٹو موبائل اور سپورٹس کلب بھی ہیں۔

جونہ نے یہیں سے فرار اختیار کیا تھا۔ پیٹر۔ چوٹیں سینٹر۔ انتھونی اور کلفور ڈیا کی زندگیوں کے بہت سے واقعات اس شہر سے تعلق رکھتے ہیں یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت مسیح اپنی تبلیغ و تلقین میں کامیاب ہوئے

نابلس (SHECHEM)

دو پہاڑیوں کے درمیان یہ شہر واقع ہے۔ ان پہاڑیوں کو ایبال اور گرزیم کہتے ہیں۔ یہاں سے دریائے اُردن پار کرکے یوشع نے پہلے اسرائیلیوں کو حضرت مسیح کا پیغام دیا تھا۔

نابلس میں دنیا کی مشہور قدیم نسل سامری آباد ہے۔ اس قوم نے ڈھائی ہزار سال سے اپنی نسل کا کسی دوسری نسل سے امتزاج نہیں ہونے دیا۔ اُن پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ کے صرف پانچ ابتدائی نوشتوں کو مانتے ہیں۔ سال میں ایک مقررہ شام کو گھر بار چھوڑ کر شہر کے باہر تہوار مناتے ہیں نابلس اُن کے نزدیک بیت المقدس سے بھی زیادہ مقدس شہر ہے۔ گرزیم پہاڑ اُن کا قبلہ ہے۔

موجودہ جنگ سے قبل مسلمان عرب بھی بکثرت تھے۔ بہت سی مساجد اور منارے

شہر میں موجود ہیں۔ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ قدیم ایام میں ان مساجد کو قدیم باشندے گرجوں کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ نابلس کی جنوب مغرب والی مسجد کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جب برادرانِ یوسفؑ اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کا خون میں لتھڑا ہوا قمیض لائے تو حضرت یعقوبؑ یہاں بیٹھے ہوئے تھے یہ شہر زیتون کے تیل اور صابن سازی کی صنعت کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔

"چاہ یعقوب" وہ کنواں ہے جو حضرت یعقوب نے نابلس کے باہر خیمہ لگاتے وقت کھودا تھا۔ یہی وہ مقام ہے۔ جس کے متعلق کتاب مقدس میں بتلایا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ نے ایک عورت سے جب وہ یہاں پانی بھرنے آئی رشد و ہدایت کی گفتگو کی یہاں بطور یادگار ایک گرجا بن گیا ہے۔

ناصریہ (NAZARETH)

گلیلی کی وادیوں میں یہ قصبہ آباد ہے۔ حضرت مسیح کی زندگی کا بیشتر حصہ اس شہر میں گزرا۔ اس مناسبت سے آپ کو مسیح ناصری اور آپ کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے زمانے کی تہذیب کے نشانات یہاں ابھی تک موجود ہیں۔ مکانات کی تعمیر اور صنعت و حرفت میں ابھی تک وہی اصول کارفرما ہے

ناصریہ میں سکول، شفا خانے اور گرجے بکثرت ہیں۔ انجیر اور زیتون کے درختوں کی بہتات ہے۔ ناصریہ کا اننسی ایشن چرچ CHURCH OF ANNUNCIATION بارھویں صدی میں قسطنطین کے عہد میں تعمیر ہوا۔ اس کے علاوہ دو اور بھی مشہور گرجے ہیں جو حضرت مریم کے کنوئیں اور حضرت مسیح کے عبادت خانے کی جگہ تعمیر کئے گئے ہیں۔

وادیٔ موسےٰ (PETRA)

یہ وادی بیت المقدس کے جنوب میں ہے۔ یہاں زیتون کے درخت بکثرت ہیں حضرت موسیٰؑ اپنی گمشدہ قوم کو دشتِ تیہ سے نکال کر یہیں لائے تھے۔ وہ پتھر جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلتے تھے۔ اس وادی میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق اکثر سیاحوں نے کی ہے۔

حیفہ

راس الکرمل (MT. CAR MEL) کے نیچے یہ قدیم آبادی ہے۔ جو اب بالکل جدید طرز کی ایک بستی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں شہر کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ یہ فلسطین کی اول درجہ کی بندرگاہ ہے۔ موصل سے آنیوالی پائپ لائن کا بڑا ذخیرہ یہاں ہے یہاں مختلف صنعتی سکول کالج ادارے اور کارخانے ہیں۔

راس الکرمل کی انتہائی بہائیوں کا پرشین گارڈن ہے۔ ان کے مذہبی رہنما باب اور سر عباس عبدالباب کے مقبرے بھی یہیں ہیں۔ یہاں بائیبل کے ذکر کردہ بیشمار آثار اور مقامات ہیں

کفر کنہ (CANA OF GALILEE)

عکہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس کے جنوب کی پہاڑی میں حضرت یونس اور اُن کے بیٹے کی قبور ہیں۔ ان کا ذکر یوحنا باب آیت ۱ میں آیا ہے وہاں اسے کنیاسے جلیل کہا گیا ہے۔

بلادِ لوط

یہ شہر جو حضرت لوطؑ کا وطن اور صاحب بصیرتِ انسانوں کے لئے مرقع عبرت

تھا۔ بحیرہ لوط کے قریب تھا۔ توراۃ مقدس اور قرآن حکیم میں ان اُجڑی ہوئی بستیوں کا ذکر موجود ہے۔ اب یہ علاقہ شرق اُردن کی حدود میں ہے۔ ان پانچ قصبوں کا مرکزی شہر سدوم کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں کا پانی سخت گرم اور آب و ہوا سخت تکلیف دہ تھی۔ لوگ اسے سقر اسفل کہتے۔

کنعان (یا سیلون (SHILON)

توریت کی کتاب احکام میں اس کا ذکر ہے مسجد السکینہ یہاں تھی۔ اور حضرت یوسفؑ کو اُن کے بھائی اس جگہ سے کنوئیں میں ڈالنے کے لئے لے کر گئے تھے۔ قیام مصر سے قبل آپ کا بیشتر حصہ عمر یہاں بسر ہوا۔

لجون (LEGIO OR MEGIDDO)

فلسطین کا ایک بہت پرانا سرحدی شہر ہے۔ اس کے باہر ایک گنبد ہے، جسے مسجد ابراہیم کہتے ہیں یہاں ایک کنواں ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے لاٹھی مار کر بطور معجزہ زمین سے پانی نکالا تھا۔ اس نام سے ایک شہر طبریہ سے ۱۰ میل دور ہے۔ ایک نیا کے قریب ہے اور تیسرا صوبہ قنسرین میں ہے۔

مدین۔

طور سینا سے مشرق کو آباد ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے یہاں حضرت موسیٰؑ کی زوجہ صفورہ (ZIPPORAH) بنت شعیبؑ کی قبر ہے۔ یہاں وہ کنواں ہے جس سے حضرت موسیٰؑ اپنے خسر شعیبؑ کے گلہ کو پانی پلایا کرتے تھے۔

بعلبک نوح

بعلبک کے نزدیک کی آبادی جس میں حضرت نوحؑ اور اُن کی صاحبزادی کی قبر ہیں

ہیں۔ اس آبادی کے نزدیک چشمہ کی صورت میں زمین سے پانی اُبلتا ہے۔ اسے تنور طوفان کہتے ہیں۔

بقاع کلب (COELO SYRIMPLAIN)

بعلبک، حمص اور دمشق کے درمیان ایک وسیع میدان جس میں حضرت الیاسؑ کی قبر ہے۔ قریب ہی نوحؑ اور شیثؑ کے مزارات بیان کئے جاتے ہیں۔

دیر ناخور

اردن ندی کے کنارے وہ مقام جہاں یحییٰ نبی نے حضرت مسیحؑ کو بپتسمہ دیا تھا۔ یہاں ایک گرجا تعمیر ہے۔

جریکو۔

اردن ندی سے چار میل دور ایک صحرائی گوشہ ہے۔ جو سلطان عبداللہ کی مملکت کا سرحدی شہر ہے۔ جو قضیۂ فلسطین میں رسوائے عالم جریکو کانفرنس کی وجہ سے کافی مشہور ہو گیا ہے۔

جریکو سے ایک میل دور قدیم کنعانی بستی کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں ابھی تک اس شہر کی ٹوٹی ہوئی دیواریں آثار قدیمہ کے محققوں کے لئے سامان عبرت ہیں۔

جبرش۔ شرق اردن کا دوسرا قصبہ۔ اس کے درمیان سے ندی گزرتی ہے۔ شہر میں قوم عاد کے مکانوں کے کھنڈرات بکثرت ہیں۔ شرجیلؓ نے دور فاروقیؓ میں اسے فتح کیا تھا۔

اعبلین

دامون کے جنوب میں ایک مختصر سا قصبہ

حضرت عزیرؑ کا مزار بھی یہیں ہے۔ آپ کو تورات میں اُزار یا اسدر اس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انہیں یہود کے بعض لوگوں نے خدا کا بیٹا تصوّر کیا۔

رومہ

طبریہ کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں جس میں یہودا ابن یعقوب کا مزار ہے

سبسطیہ (SEBASTIA, SAMARIA)

نابلس کے قریب ہے۔ بیت المقدس سے زیادہ دور نہیں۔ یہاں حضرت زکریاؑ اور ان کے بیٹے یحییٰؑ نبی کے مزارات ہیں۔

بیت احزان دمشق اور ساحل کے درمیان وہ قصبہ جہاں حضرت یوسفؑ کے گم ہونے پر یعقوبؑ رنج والم کے عالم میں مقیم رہے۔ ۵۷۵ھ میں سلطان صلاح الدین نے اسے فتح کیا۔

عسقلان

عبرانی میں اس کا تلفظ اِیس کیلون ہے۔ ساحل سمندر پر واقع ہے اور دوہری فصیل کے اندر آباد ہے۔ عسقلان کے قریب ہی وادیٔ النمل ہے۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک کی سورہ نمل میں آیا ہے۔ شہر کے ایک طرف چاہ ابراہیمؑ ہے۔ عبدالملک نے سنگ مرمر کی مسجد تعمیر کرائی، جسے لوگ عروس الشام کے نام سے پکارتے ہیں۔ قدیم آثار شہر میں بکثرت ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ

امام حسینؑ کا سر مبارک پہلے اس شہر میں لایا گیا۔

بیت لہیا

دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے یہاں حضرت ابراہیمؑ کا باپ یا چچا آذر بت تراش رہتا تھا۔ وہ گھر جس میں وہ بت بناتا اور جمع کرتا تھا۔ اب ایک عالیشان مسجد کی صورت میں موجود ہے۔ غالباً اسی مناسبت سے ہی شہر کا نام رکھا گیا ہے۔ اور اس کا صحیح تلفظ "بیت الالٰہ" ہو گا۔ جو بگڑ کر بیت لہیا ہو گیا۔ اسی نام سے ایک بستی غزہ کے قریب ہے۔

بالس۔ (BARBALISSUS)

فرات سے کچھ میل دور مغربی سمت میں شام کا سب سے پہلا شہر ہے یہ شہر حضرت نوحؑ کے پانچویں پشت "بالس" کے نام پر موسوم ہے۔ شہر سے ۵ میل دور قلعہ جعبر یا قلعہ دوسر ہے جس کے پاس میدان صفین میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان معرکہ صفین ہوا تھا۔

دیر بحیرا (نجران)

شام میں حوران کا صدر مقام جہاں شام کے سفر میں حضرت محمد صلعم کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی تھی۔ اور اس نے آپ کو نبی آخر الزمان بتلایا تھا

جب یوسف (DOTHAN)

طبریہ سے دمشق کو جاتے ہوئے دریائے اردن کے کنارے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ برادران یوسف نے انہیں اس کنوئیں میں ڈالا تھا۔ ابن بطوطہ نے خود اس کی زیارت کی ہے۔

جبلہ (ZIBEL)

ساحل شام پر ایک خوشنما قصبہ ۱۷ھ میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔ مشہور بزرگ ابراہیم ادھمؒ کا یہاں مزار ہے۔

نیراب۔

دمشق کے قریب سیاہ پہاڑی پر ایک گاؤں ہے۔ جامع مسجد کے حجرے میں حضرت مریم کی والدہ مدفون ہیں۔

قاسیون (MT. CASIUS)

دمشق شہر کا شمالی پہاڑ اب ایک محلہ کی صورت میں آباد ہے۔ اس کے دامن میں "مغارۃ الدم" ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔

تدمر (یا) تدمور (PALMYRA)

صحرائے شام کا ایک پرانا شہر جس میں بے شمار قدیم آثار ہیں۔ اس کی اکثر عمارات حضرت سلیمانؑ اور داؤدؑ کے زمانہ کی بیان کی جاتی ہیں۔ حمص کے قریب یہ شہر ہے

قنسرین (CHALSIC)

اس شہر کے نام پر ہی صوبہ موسوم ہے۔ اس کے قلعہ کو یزید نے امام حسینؑ کی شہادت کے وقت منہدم کرا دیا تھا۔ یہاں حضرت صالحؑ کا مزار ہے۔ شہر ویران ہو چکا ہے۔ اس کے کھنڈرات اور شکستہ سرائیں ناظرین کے لئے مرقعِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔

غازہ اور تل ابیب اور دوسرے اہم شہر ہیں۔ اُن کا حال آپ "فلسطین کی نئی حکومتوں" کے مستقل باب میں مطالعہ فرمائیں گے۔

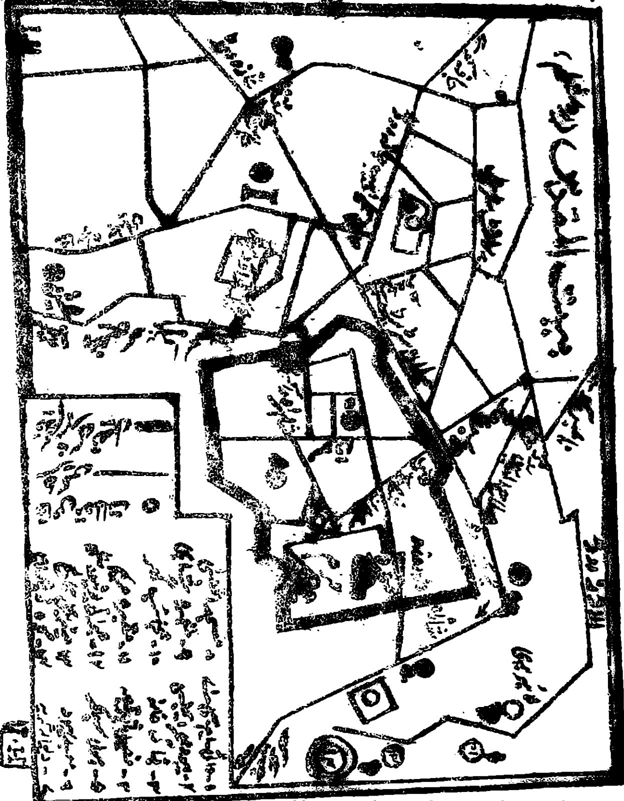
انبیاؑ و صلحاء کے مساکن و مزارات

تحریر کے نہایت اختصار کے باوجود آثار مذہبی کا ایک طویل سلسلہ آپ کے سامنے ہے مزید طوالت سے بچنے کے لئے اب اہم انبیاء کرامؑ اور صالح بندوں کے مساکن و مزارات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ارض مقدس میں آج بھی موعظت و عبرت کا پہلو پیش کر رہے ہیں۔

حضرت[1] ابراہیمؑ (مسکن بیت لہیا۔ مزار الخلیل۔ حبرون) حضرت[2] اسحٰقؑ (مزار الخلیل) حضرت[3] یعقوبؑ (مسکن کنعان) حضرت[4] نوحؑ (مزار بعلبک) حضرت[5] ہودؑ حضرت[6] عزیرؑ (اعبلین) حضرت[7] سلیمانؑ (بیت اللحم مسکن) سموئیل[8] نبی (مزار خلیسہ) حضرت[9] داؤدؑ (بیت اللحم مسکن) یوشع[10] نبی (مسکن جریکو۔ مزار صرفہ) حضرت[11] لوطؑ (مسکن سدوم۔ مزار نزد الخلیل) حضرت[12] الیاسؑ (مزار القلعہ کلب) حضرت[13] ایوبؑ (مسکن۔ حوران) حضرت[14] شعیبؑ (مزار کوہ حطین) حضرت[15] یونسؑ (مسکن حومان مزار جلجول) حضرت[16] صالحؑ (مزار تنسرین) حضرت[17] زکریاؑ و حضرت[18] یحییٰؑ (مزار سبطیہ) حضرت[19] موسیٰؑ (مسکن سینا مصر و غیرہ) حضرت[20] ہارونؑ (مزار کوہ ہود) حضرت[21] عیسےٰؑ (مسکن بیت اللحم۔ لدہ)

حضرت[22] سارہ۔ زوجہ حضرت ابراہیمؑ۔ و حضرت[23] رابقہ زوجہ یعقوبؑ (مزار الخلیل) یہودا[24] ابن یعقوبؑ (مزار رومہ۔ طبریہ) راحیل[25] والدہ یوسفؑ (مزار بیت اللحم)

صفورہ[۲۶] بنت شعیبؑ (کوہ حطین)، والدہ[۲۷] موسیٰؑ (مزار الزید۔ عکہ) مریم[۲۸] والدہ عیسیٰؑ (مزار بیت المقدس) ام کلثوم[۲۹] زوجہ آنحضرت صلعم (راویہ۔ دمشق) حضرت ابوہریرہ[۳۰] صحابی نبیؑ (مزار کوہ طبریہ) حضرت ابو عبیدہ[۳۱] ابن جراح صحابی نبیؑ (مزار عمتا)



تاریخ قدیم

چند عنوانات

قدیم حکومتیں
انبیاء کا دور
داستانِ یہود
یہود کا زوال
اسلام کا ابتدائی دور
فلسطین میں اسلامی حکومت

قدیم حکومتیں

حکومتِ فلسطین کا بانی ملک صدق تصور کیا جاتا ہے۔ جس کا تذکرہ توریت مقدس میں موجود ہے۔ ملک صدق کے سو سال بعد یبوسی قوم نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس مناسبت سے شہر کا نام یبوسلم رکھا گیا۔ جو آہستہ آہستہ یروشلم ہو گیا۔ اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے ـــــ اب ہم تاریخ قدیم کے چند ابواب کی تلخیص پیش کرتے ہیں۔

فلسطین اور شام پر مصری تسلط کا آغاز ہکسوس (HYKSOS) کے زمانہ تقریباً سترہ سو سال قبل مسیح سے ہوا۔ اس کے بعد عبرانی آمد شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ بیرونی طاقتیں کمزور ہوتی گئیں اور عبرانی بادشاہت طاقت پکڑ گئی۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے ـــــ اس کے بعد عبرانی حکومت یہودیہ اور اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ پھر اسرائیلی عمری نسل کا دور آیا۔ جو صرف پچاس سال قائم رہ سکا۔

اشوری سلطنت اس دوران میں بتدریج مغرب میں وسیع تر ہوتی گئی۔ اور آٹھویں صدی شام میں مصری اقتدار ختم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس طرح بابلی اثر قائم ہو گیا۔ اس دوران میں کچھ ایسے ناگزیر حالات رونما ہوئے کہ فلسطین دوسرے تمام اثرات سے آزاد ہو کر رومی اور یونانی تسلط میں چلا گیا۔ اس دور میں بت پرستی اور اصنام پرستی کے علاوہ اخلاقی جرائم، فحاشی اور زنا اس کثرت سے عام ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک مسلسل اور کثیر التعداد سلسلہ ان خرابیوں کو ختم کرنے

کے لئے مبعوث کیا گیا۔

انبیاء کا دور :-

اس عنوان کے ماتحت ہم چند نبیوںؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا ارض مقدس سے گہرا تعلق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع نبی نے فلسطین کو فتح کیا۔ ان کا مزار بغداد شریف میں موجود ہے۔ جناب یوشعؑ کے بعد فلسطین پر کبھی انبیائے اور کبھی یہودی قبیلہ کا قبضہ رہا۔ یہ سلسلہ حضرت طالوت (ساؤل) پر جا کر ختم ہوا۔

۱۰۱۵ سال گزرنے پر حضرت داؤد علیہ السلام نے فلسطین کی حکومت حاصل کی آپ نے یبوسیوں کو جو پلے دین اور غیر مختون تھے اس سرزمین سے نکال دیا اور نہایت تزک و احتشام سے جہانبانی کی۔ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ جو ان کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی حکومت کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ جن و انس کے علاوہ پرندوں پر بھی آپ حکمرانی کرتے تھے۔ یہ زمانہ فارغ البالی اور خوشحالی کا تھا لیکن حضرت سلیمانؑ کے بعد ہی اس قوم پر نکبت و ادبار کی گھڑیاں چھا گئیں۔ مندرجہ بالا دو عنوانات کے اجمال کی تفصیل آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

داستان یہود (بنی اسرائیل)

لغوی اعتبار سے یہودی سے مراد ہے۔ ترمی سے رجوع کرنیوالا لیکن

اصطلاحی طور پر یہودی اُس شخص کو کہتے ہیں جسنے دینِ یہودیت یا "موسوی شریعت" اختیار کی ہو۔ قرآن پاک میں عام طور پر یہود کو اُن کے دوسرے نام "بنی اسرائیل" سے مخاطب کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہودیوں نے بھی اپنی خود ساختہ حکومت کو بالصّراحت اسرائیل کا نام دیا ہے۔

"بنی اسرائیل" کی لفظی ترکیب یوں ہے "بنی" کے معنی اولاد۔ "اسرا" بمعنی بندہ و غلام۔ اور "ایل" خدا کا صفاتی نام لہذا "اسرائیل" کے معنی بندہ خدا ہوئے۔ یہ دونوں لفظ عبرانی ہیں۔ اور یہ لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا۔ لہذا بنی اسرائیل دراصل اولادِ یعقوبؑ کو کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوبؑ نسبی اعتبار سے حضرت اسحٰق کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے برادر زادہ اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہیں۔ اس اعتبار سے آنحضرت صلعم بنی اسرائیل کی بھائی قوم میں پیدا ہوئے۔ فطری طور پر یہود کے لئے ضروری تھا کہ وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے۔ اور قبولِ حق میں پس و پیش نہ کرتے۔ چونکہ نہ بانی اسلام اُن کے لئے بیگانہ تھا۔ اور نہ ہی اسلام کی دعوت ان کے واسطے نئی تھی۔ لیکن ان بدبختانِ ازلی نے حق کو قبول نہ کیا۔

"بنی اسرائیل" کوئی ڈیڑھ سو سال کنعان رہ کر حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں مصر چلے گئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے۔ چار سو سال کا طویل عرصہ مصر میں بسر کیا۔ حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو انہوں نے فراعنہ مصر کی بد عنوانیوں سے آزاد کرانے کے لئے انہیں ترکِ وطن کرایا۔ اللہ کا یہ جلیل القدر نبی اپنی امت کو لئے ہوئے بارہ سال جنگلوں

میں پھرتا رہا۔ اس بارہ سالہ صحرا نوردی میں کتنے ہی بوڑھے ختم ہو گئے۔ لیکن ان کی غلامانہ روح قوم سے نہ اٹھی۔ اس مدت میں نئی نسل پیدا ہو گئی۔ لیکن حریت کی امنگ ان میں پیدا نہ ہوئی۔ ارض مقدس میں داخلہ کی دعوت پر تعیش پسند اور سہل انگار قوم نے نبی کو جواب دیا۔ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ "جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ ہم وہاں نہ جائیں گے۔ (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ (المائدہ ۲۴)

حضرت موسیٰ اس جواب سے بد دل نہ ہوئے۔ اور آخر کار بنی اسرائیل کو ارض مقدس لے گئے جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے آپ کے بعد یشوعؑ نبی کے ماتحت ارض مقدس کو فتح کیا گیا۔ حضرت محمد صلعم کی پیدائش سے قبل بنی اسرائیل کافی تعداد میں عرب میں آکر آباد ہو گئے۔ مدینہ میں یہودیوں کی کثیر تعداد تھی۔ خیبر میں بھی وہ آباد تھے۔ بلکہ وہاں اُن کو اقتدار حاصل تھا۔ مدینہ اور اردگرد کی بستیوں میں نو آباد یہودی بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔

اغلب یہی ہے کہ وہ ارض مقدس چھوڑ کر عرب کے ریگستانی اور نخلستانی علاقہ میں آکر اس لئے آباد ہوئے کہ ان کی کتابوں میں پیشگوئی کی گئی تھی نبی آخر الزمانؐ یہود کو غلامی سے آزاد کرائیں گے۔ اور کھجوروں کے ریگستان میں مبعوث ہوں گے

یہود کا زوال

ابھی ہیکل کی تعمیر کو ۱۵ ۴ سال ہی گزرے تھے کہ میلاد مسیح سے ۵۸۶ سال

قبل بخت نصر نے یروشلم پر چڑھائی کر دی ۔ اس کے سپہ سالار نے سارے اموال واسباب جلا دیئے ہیکل بھی جلا کر خاکستر کر دیا۔ جس کے ساتھ یہود کے اقبال کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ پوری یہودی قوم جلاوطن کر دی گئی۔ اور وہ قیدی ہو کر بابل میں جا بسی ۔

یہودی ستر سال تک بابل میں غریب الوطن اور غلام رہے۔ کچھ خدا ترسی اور رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوئی ۔ خداوند عالم کو اُن پر رحم آیا۔ خسرو شہنشاہِ ایران کے ہاتھوں بابل فتح ہوا۔ یہود کی جلاوطنی ختم ہوئی۔ اور انہیں آزادی کی ہوا نصیب ہوئی ۔ اور یہودی یروشلم میں آکر آباد ہو گئے۔ مگر بدبخت جلد ہی خدا کو بھول گئے۔ اور دنیاداری و زرپرستی کے پرانے مرض میں گرفتار ہو گئے سکندر کے ہاتھوں ایران فتح ہوا۔ ایران کے مقبوضات پر بھی سکندر کا قبضہ ہو گیا۔ اور یروشلم بھی یونانی حکومت میں چلا گیا ۔

۶۷ ء قبل مسیح میں رومی بادشاہ پومپی نے یروشلم کو فتح کر لیا۔ مگر یہ رومی حکومت یہود کے لئے مزید تباہی اور مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس تباہی کی مختصر داستان یہ ہے۔ کہ ۷۰ء میں یہود نے ایک بار پھر آزادی کی کوشش کی، اور رومیوں کے خلاف ایک زبردست بغاوت کر دی۔ مگر اس میں عیسائی اُن کے ساتھ شریک نہ ہوئے ۔ بلکہ شہر چھوڑ کر نکل گئے رومی سالار طیطوس نے یروشلم آکر بغاوت فرو کرنے کے لئے وہ تباہی مچائی ۔ جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہ تھی ۔ اس نے ہیکل سمیت تمام شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ آبادی اور آبادانی کا کوئی نشان بھی باقی نہ چھوڑا یہ یہود کی

آخری نباہی تھی جس کے بعد انہیں کبھی سطوط و شوکت نصیب نہ ہوئی چنانچہ ظہور اسلام کے بعد لشکر اسلام کے ہاتھوں فلسطین کی فتح ۱۵ھ/۶۳۵ء عیسوی تک رومیوں کا قبضہ رہا۔

اسلام کا ابتدائی دور اور یہود

آنحضرت صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ آپ نے ایک معاہدہ مرتب کیا۔ "اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریشی ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ جو مسلمانوں کے نقاعد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک قوم شمار ہوں گے" خون بہا کے قواعد کے بعد لکھا "صلح و امن میں مشترک ہوں گے۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی کو بطور خود صلح یا جنگ کا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنہوں نے ہم سے الحاق کر لیا ہے۔ ہر قسم کی توہین سے محفوظ رہیں گے۔ انہیں ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ ان کو اپنے مذہب کے احکام میں ویسی ہی آزادی ہوگی جیسے مسلمانوں کو۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اور سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لئے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے" آخر میں یہ دستاویز یوں ختم ہوتی ہے "آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے۔ جنہوں نے اس عہد نامے کو قبول کیا ہے فیصلے کے لئے رسول اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔"

رحم و کرم کے اس منشور پر دستخط کر دینے کے بعد بھی یہودی اپنی سرشت سے

بانہ نہ آئے۔ اپنی زبانوں کو بل دے دے کر قرآنِ پاک کے الفاظ بگاڑتے نیز آیتوں کا غلط استعمال کرتے۔ السلام علیکم کی جگہ "سام علیک" کی بددعا کہتے۔ اس لفظی تحریف کے قطع نظر انہوں نے اسلام اور بانی اسلام کو نقصان پہنچانے میں ہر ممکن سعی کی۔

کعب بن اشرف جو یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا ممتاز شاعر تھا۔ فتح بدر کے بعد مکہ چلا گیا۔ اور شکستہ دل کفار کو اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا۔ مکہ میں دشمنی کی آگ لگا کر بنی نضیر کے قلعہ میں آیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف شعر گوئی کرتا رہا۔ اس قبیلہ کا ایک دوسرا شاعر ابو رافع سلام بن ابو الحقیق تھا۔ وہ سلیم اور غطفان نامی عرب قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شعر نویسی کرتا رہا۔ چنانچہ ان دونوں شعرا کو خفیہ طور پر قتل کی سزا دی گئی۔

صرف ان دو شاعروں کی یہ ہی شرارت ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ پوری یہود قوم شریکِ فتنہ تھی۔ ۲ھ میں ایک اور ناگوار حادثہ ہوا۔ کوئی نوجوان لڑکی شہر آ رہی تھی۔ بنی قینقاع کے کسی یہودی نے اس کی سخت توہین کی۔ ایک مسلمان نے لڑکی کی حمایت کی۔ تو یہودیوں نے اُسے قتل کر دیا۔ اس پر آپس میں خونریز لڑائی چھڑ گئی۔ آنحضرت صلعم نے بیچ بچاؤ کرایا۔ اور یہود کو کہا وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا مدینہ خالی کر دیں۔ وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد مدینہ خالی کر گئے۔

بنو نضیر کا رویہ بھی مسلمانوں سے اسی انداز کا تھا۔ اُن کو بھی یہی پیغام دیا گیا۔ یہ لوگ منافقین اور دشمنانِ اسلام کے بھروسے پر آمادۂ پیکار ہو گئے۔ مگر

بچند دن کے محاصرہ سے ہی جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ اسلحہ کے علاوہ ہر منقولہ جائداد کو لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

۵ھ میں جنگ اُحد کے موقع پر بنو قریظہ یہودی قبیلہ نے معاہدہ کے باوجود مسلمانوں سے غداری کی۔ دشمن اسلام نے افواج کی جاسوسی کے فرائض سرانجام دیئے۔ اب اس قبیلہ سے جواب طلب کیا گیا۔ تو انہوں نے متکبرانہ انداز اختیار کیا۔ ایک بار دھوکہ سے آنحضرت کو شہید کرنے کا منصوبہ کیا۔ مگر آپ بروقت ان کی شرارت سے باخبر ہو گئے۔ اور اس طرح وہ اپنی سازش میں ناکام رہے۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے پر صرف ایک شرط پیش کی۔ کہ اُن کا فیصلہ بنی آوس کے سردار معاذ کے بیٹے سعد پر چھوڑ دیا جائے سعد نے فیصلہ کیا کہ تمام جنگ کے قابل یہودیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اب یہودی اس فیصلہ کو ماننے پر مجبور تھے۔ اس لئے کہ یہ خود اُن کے تجویز کردہ منصف کا فیصلہ تھا۔ مدینہ بلکہ عرب کے یہود پر یہ ضرب کاری ثابت ہوئی۔ اور اب ہمیشہ کے لئے اُن کے ساتھ قطع تعلق ہو گیا۔

فلسطین میں اسلامی حکومت

۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے عمروؓ ابن العاص ملک شام کی تسخیر پر مامور ہوئے۔ اور انہوں نے آپ کے عہد ہی میں کئی اہم مقامات فتح کر لئے۔ ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء میں جناب ابو عبیدہؓ نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں یروشلم کا محاصرہ کیا۔ جو بہت طول کھینچ گیا۔ محصورین نے بالآخر سالار لشکر

اسلامی سے درخواست کی۔ کہ اگر مسلمانوں کے خلیفہ تشریف لائیں۔ تو وہ بعض علامات کی تصدیق و مشاہدہ کر کے شہر ان کے حوالے کر دیں گے۔

مسند خلافت مدینہ منورہ میں یہ اطلاع پہنچائی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی کے مشورہ سے خلیفۃ الاسلام حضرت عمر فاروق رضی یروشلم کو روانہ ہوئے۔ اسلامی حکومت کے والی اور مسلمانوں کے روحانی و مذہبی امام کے سفر کی شان یہ تھی کہ لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ کپڑے سادہ تھے۔ زادِ راہ کے لئے کھجور اور ستو کے دو تھیلے تھے۔ ہمراہی میں ایک غلام تھا۔ لیکن سواری کے لئے ایک ہی اونٹ تھا۔ باری باری آقا و غلام دونوں اس پر سوار ہوتے۔ حسنِ اتفاق سے یروشلم میں داخلہ کے وقت غلام کی باری تھی۔ چنانچہ غلام سوار تھا۔ اور اونٹ کی مہار آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ خلیفۃ اسلام کی عملی مساوات کا یہ نمونہ یہود کو متاثر کئے بغیر نہ رہا۔ یہودی علماء اور راہبوں نے دوسری علامات بھی بغور مطالعہ کر لیں۔ اسقف اعظم سفرونیس (SOPHRONIOS) نے بغیر جنگ کے شہر کی کنجیاں آپ کے سپرد کر دیں۔ اور کسی خونریزی کے بغیر ۱۵ھ میں یہاں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

یہودی اور عیسائی دونوں اس حکومت سے خوش تھے۔ جو آرام اور سکھ انہیں کبھی اپنی حکومت میں نصیب نہ ہوا تھا۔ اب حاصل تھا۔ ۱۰۹۵ء تک عیسائی یہودی نہایت پرسکون زندگی بسر کرتے رہے۔ گیارھویں صدی کے آخر میں بعض شرارت پسندوں نے متعصب عیسائی حکومتوں کو فلسطین پر حملے کے لئے آمادہ کیا۔ ۴۹۲ھ (مطابق ۱۰۹۶ء) سے ۶۹۰ھ تک صلیبی جنگیں ہوئیں۔ دنیا کی تمام عیسائی مملکتوں نے مل کر حملے کئے۔ اور یہ زمانہ ارضِ مقدس کی تاریخ میں ایک خونیں دور کی حیثیت رکھتا ہے۔

صلیبی جنگیں

چند عنوانات

صلیبی جنگیں کیوں ہوئیں؟

صلیبی معرکے

۱۰۹۵ء تا ۱۲۵۰ء

صلیبیوں کی ناکامی

صلیبیوں کے بعد

صلیبی جنگیں کیوں ہوئیں

بیت المقدس یورپ کے زائرین کا مرجع تھا۔ عیسائی اور یہودی ۔ دور نزدیک سے ہر سال ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں یہاں آتے۔ اور امن و امان کے ساتھ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر کے قربانیاں دے کر لوٹ جاتے۔ کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹتی۔ مسلمانوں کی حکومت کا انہیں ایک فائدہ یہ بھی ہوا۔ کہ تمام فرقے زیارت کر سکتے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل خود عیسائی دورِ حکومت میں ایسا ممکن نہ تھا۔ برسرِ اقتدار فرقہ دوسرے ہم مذہبوں پر دروازے بند کر دیتا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں بیت المقدس پر ایک ترکی خاندان کی حکومت آئی۔ اس دور میں زائرین کے چند قافلے لُٹ گئے۔ یورپ نے اس کو شاخسانہ بنا کر ہر طرف دشمنی اور مخالفت کی آگ لگا دی۔ حالانکہ ایسے غیر معمولی حالات اور بے شمار لوگوں کے اکٹھ کی صورت میں اس قسم کے دو چار حادثات کا ہو جانا کوئی ان ہونی بات نہیں ہوتی۔ مارچ ۱۰۹۵ء میں پاپائے روم اربن دوم نے ایک کونسل طلب کی۔ تاکہ اس کے ذریعے مسلمان حکومت کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا جائے۔ اس کی انتہائی کوشش کے باوجود کوئی ایسا فیصلہ نہ ہو سکا۔ اربن نے نومبر میں دوبارہ کونسل کا اجلاس بلایا۔ اور آخری فتویٰ صادر کر ہی دیا گیا۔ جس میں کہا گیا کہ سرزمین فلسطین کو ناپاک مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لینا مسیحی دنیا کا مذہبی فریضہ ہے اور جو مسیحی اس مقدس فرض کو ادا کرے گا۔ دربارِ مسیح میں اس سے کسی جرم و گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ اور پھر خود اس جہان میں فتح و نصرت کے بعد ملک کے انجیرِ

زیتون اور انگوری شراب اُن کے لئے عام ہوگی۔ لوٹ مار کا مال اس کے سوا ہوگا۔ ——— چنانچہ اس فتویٰ کے بعد باقاعدہ صلیبی معرکے بڑے زور شور سے شروع ہوگئے۔ ہم ان میں سے چند ایک بڑے بڑے معرکوں کا ذکر کریں گے۔ تاکہ قارئین کرام کو صلیبی جنگوں کی ہلاکت سامانیوں کا ایک اندازہ ہو سکے۔

صلیبی معرکے

اوّل - ۱۰۹۶ء میں سب سے پہلے ایک فریق ارض مقدس پر حملہ کرنے کے لئے چلا مگر راستہ میں بلگیریا کے اپنے ہم مذہب عیسائیوں سے ہی الجھ گیا۔ جنہوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دوم - پیٹر دی ہرمٹ (PATER THE HERMIT) کی سرداری میں دوسرا لشکر چالیس ہزار مرد وعورت کی فوج کی صورت میں چلا۔ یہ وہی پیٹر ہے۔ جو ۱۰۹۴ء میں بیت المقدس کی زیارت کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور واپسی پر اس نے پورے زور و شور اور شد و مد سے یورپ میں مسلمان اور اسلامی حکومت کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ پیٹر نے بھی راستہ میں ہنگری اور بلگیریا میں قتل و غارت شروع کر دی۔ مگر جب اسلامی فوج سے مقابلہ پڑا تو تاب مقاومت نہ لا سکا۔ اس کا ایک سردار ریجنلڈ چند ہمراہیوں کے ساتھ مسلمان ہوگیا۔

سوم - اس سال ایک اور تیسرا حملہ ہوا۔ اس خبیث گروہ نے بھی مسیحی ممالک میں بدمعاشی اور عصمت دری شروع کر دی۔ چنانچہ انہیں بھی بلگیریا میں ختم کر دیا گیا۔ صرف چند گنے چنے آدمی جان بچا کر واپس جا سکے۔

چہارم - چوتھا حملہ انگلستان اور فرانس سے متحدہ طور پر ہوا۔ یہ لوگ راستہ

میں یہودیوں سے الجھ پڑے۔ اور ارض مقدس سے بہت پرے ہی ختم ہو گئے۔
پنجم ۔ ۱۰۹۷ء میں گاڈ فری کی قیادت میں پانچواں زبردست حملہ ہوا
انطاکیہ پر مسلمانوں نے نو ماہ تک مقابلہ کیا۔ اور شہر بند ہو کر محاصرہ کی حالت
میں پامردی سے ڈٹے رہے۔ حتیٰ کہ انطاکیہ کے مسلمان حاکم کے لڑکے کو مسیحیوں
نے گرفتار کر کے فصیل کے سامنے مسلمانوں کو دکھا دکھا کر انتہائی عقوبتوں سے ذبح
کیا۔ لیکن مسلمانوں نے دل نہ چھوڑا۔ مگر آخر کار ایک عیسائی شہری کی غداری سے
نو ماہ بعد شہر انطاکیہ پر مسیحی حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا۔ اور اس قدر قتل و غارتگری
ہوئی۔ کہ ایک دن میں دس ہزار متنفس قتل ہوئے۔
بیت المقدس پر بھی صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کئی سو
سال بعد مقدس شہر مسیحی قبضہ میں آیا۔ مگر خونریزی اسقدر ہوئی کہ مؤرخ
لکھتے ہیں کہ خون گھوڑوں کی پشت تک آرہا تھا۔ ذرا اسلامی فتح اور اس
صلیبی فتح کا مقابلہ کیجئے۔ جب اسلامی لشکر فتح مند ہوئے تھے۔ تو ایک متنفس کا
بھی خون نہیں گرا تھا۔
ششم۔ ۱۱۲۸ء میں عماد الدین زنگی حاکم موصل نے صلیبیوں کا مقابلہ
شروع کر دیا۔ یورپ سے مدد آئی۔ حتیٰ کہ خود شہنشاہ یونان اپنی فوجوں کی
قیادت کر رہا تھا۔ اس نے بغاعہ شہر فتح کر کے تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اور عورتوں
بچوں کو قید کر لیا۔۔ اس کے بعد صلیبی قیساریہ کی طرف بڑھے مگر عماد الدین
کی پیش قدمی کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا ۔۔۔۔۔ ۱۱۴۴ء میں رہا
(اڈیسہ) بھی مسلمانوں نے حاصل کر لیا۔ یہ سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ یہ

شہر مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن جاسلین دوم کا مرکز تھا۔ انتقامی خدمات کے باوجود صرف خُنگی آدمیوں کو مارا گیا۔ باقی سب کو آزاد کر دیا۔ ایک غلام کی سازش سے عمادالدین شہید ہو گیا۔ اور صلیبیوں نے شہر کو دوبارہ فتح کر کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ نورالدین نے تھوڑے عرصے کے بعد ہی دوبارہ یہ شہر حاصل کر لیا۔ وہ عمادالدین کا جانشین تھا۔

۱۔ مغنم۔ ۱۱۴۷ء میں جرمن اور فرانس کی ۹ لاکھ سپاہ لوئیس ہفتم کی قیادت میں روانہ ہوئی۔ لوئیس ہفتم کی ملکہ اور دوسری عورتیں بھی صلیب کی حمایت کے لئے ہمراہ تھیں۔ ۱۰ مرد و زن کے اختلاط سے سپاہ میں بیحد بداخلاقیاں پھیلیں۔ کافی صلیبی راستے میں مارے گئے۔ باقی دمشق پر حملہ آور ہوئے نورالدین نے مقابلہ کیا تو راہ فرار لی۔

۱۱۵۱ء میں جاسلین نے مسلمانوں کو شکست دی۔ مگر جلد ہی وہ قید کر لیا گیا اور کافی علاقہ مسلمانوں کو حاصل ہو گیا۔ ——— ۱۱۶۴ء میں ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اس میں مسلمانوں نے یونان اور فرانس کی متحدہ افواج کا مقابلہ کیا اور اُن کے متعدد جرنیل گرفتار کر لئے۔ اس دوران میں صلیبی افواج کا ایک حصہ مصر میں پہنچ گیا۔ مگر نورالدین کے سپہ سالار شیرکوہ نے انہیں مار بھگایا۔ ۱۱۷۴ء میں نورالدین فوت ہو گیا۔

صلاح الدین ایوبی تخت نشین ہوا۔ سلطان نہایت پاکباز، نیک دل اور بہادر مسلمان تھا۔ اس نے فوراً صلیبیوں کو ارض مقدس سے نکالنے کی مہم شروع کر دی۔ اس وقت بیت المقدس کا حکمران بالڈون چہارم تھا۔ جو

آبا و اجداد کی کرتوتوں کی طفیل جذام کے منحوس مرض میں مبتلا تھا۔ بنیاس کے مقام پر سلطان ایوبی نے شاندار فتح حاصل کی۔ انہیں ایام میں جذامی بادشاہ مر گیا اور اس کی ملکہ نو عمر لڑکا بالڈون پنجم تخت پر بیٹھا۔ مگر عیسائیوں نے اسے زہر دے کر مار ڈالا۔ اور ایک نابکار شخص گائی ڈی لسگنن (GUY-DE LUSIGNON) تخت پر قابض ہو گیا۔

بیت المقدس کی فتح ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس سے قبل یہ مجاہد اسلام صلیبیوں کو حطین کے مقام پر فیصلہ کن شکست دے چکا تھا۔

بیت المقدس کی فتح پر سلطان صلاح الدین نے وفاداری اور اطاعت کی شرط پر سب کو امن دیدی جن لوگوں نے شہر سے جانا چاہا۔ اُن پر معمولی محصول لگا دیا جو لوگ ادا نہ کر سکے ان کا جیب خاص سے ادا کیا۔ چنانچہ دس ہزار غربا کا خود سلطان نے اور سات ہزار کا محصول اس کے بھائی نے ادا کیا۔ ضعیف العمر لوگوں کے لئے سرکاری طور پر سواری کا بندوبست کر دیا۔ حالانکہ یہ لوگ محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کی حکومت چھوڑ رہے تھے۔

ہشتم۔ ۱۱۸۹ء میں جرمنی اور انگلستان کی سپاہ کا ایک اور طوفان آیا فریڈرک اول شہنشاہِ جرمنی سپہ سالاری کر رہا تھا۔ صلیبیوں نے حملہ شروع کر لیا شہنشاہ راستہ میں ہی غرق ہو گیا۔ چنانچہ ۱۱۹۰ء میں انتہائی شکست کھا کر اس لشکر کا باقی حصہ واپس چلا گیا ——— رچرڈ شہنشاہِ انگلستان کا بھائی بچہ مدد کو آیا ——— ۱۱۹۱ء میں شاہِ انگلستان اور شاہ فرانس بھی بذاتِ خود

معرکہ میں شریک ہوئے۔ انہوں نے عکہ پر حملہ کیا۔ اور تاوان کی شکل پر مسلمانوں کو امن دے دی۔ تاوان کے جمع کرنے میں دیر ہوئی تو قتل عام شروع کر دیا۔ اس میں ساٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ مگر صلاح الدین ایوبی کا رعب مانع آیا۔ مجبوراً صلح کر کے رچرڈ واپس ہو گیا۔

۱۱۹۳ء میں صلاح الدین نے وفات پائی۔

ہشتم۔ ۱۱۹۵ء میں صلح کے باوجود ایک صلیبی لشکر آیا۔ اور اس نے بیروت پر قبضہ کر لیا۔ سلطان ایوبی کے بھائی ملک عادل نے سخت شکست دی وہ تین سال کی صلح کر کے واپس چلے گئے۔

نہم۔ ۱۱۹۸ء میں پوپ انوسنٹ سوم نے پھر جہاد کا فتویٰ دیا۔ اور یورپ کے کئی فرمانروا تیار ہو گئے۔ یہ طوفان پہلے قسطنطنیہ پہنچا۔ پہلا حملہ ایک معبد پر کر کے بسائی شہر کو نذر آتش کر دیا۔ مورخ لنسٹس کا بیان ہے کہ ان ظالموں نے گرجوں اور دوسرے معبدوں تک کو لوٹ مار سے نہ چھوڑا۔ اور اس قدر مال جمع کر لیا کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی۔ یہاں سے ہی یورپ کو واپس ہو گئے۔

۱۲۱۲ء میں عیسائی یورپ نے اپنی حماقت کا ایک تاریخی یادگار نمونہ دکھایا کہ اس سال بچوں کو صلیبی جنگ کے لئے بھیجا۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) تھی۔ جو یورپ کے مختلف شہروں سے جنگ کے لئے چلے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ارض مقدس تک نہ پہنچ سکا۔ اور نہ ہی اپنے گھروں کو کوئی واپس گیا۔ سب راستہ میں ہی منتشر اور تباہ ہو گئے۔

یازدہم۔ ۱۲۱۶-۱۷ء میں پوپ انوسنٹ کے کہنے پر ایک اور حملہ ہوا

اس میں ہنگری، آسٹریا اور بلیریا کی افواج تھیں۔ اڑھائی لاکھ سے اوپر لشکر تھا۔ انہوں نے مصر کا رُخ کیا۔ انہیں ایام میں ملک عادل فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا ملک الکامل اس قدر جرأت کا مالک نہ تھا۔ صلیبیوں نے دمیاط فتح کر کے ستر ہزار باشندوں میں سے صرف تین ہزار باقی چھوڑے۔ مگر مصریوں نے بند توڑ کر انہیں پانی میں محصور کر دیا۔ آخر کار انہیں صلح کر کے لوٹنا پڑا۔

دوازدہم ۔ ۱۲۲۹ء میں فریڈرک شہنشاہِ جرمنی خود جہاد کے لئے شام میں اترا۔ ملک کامل مقابلہ کی ہمت نہ کر سکا۔ چنانچہ بیت المقدس بیت اللحم اور ناصریہ دے کر صلح کر لی۔ اور مسجد عمر میں مسلمانوں کے داخلہ کی شرط لکھوا لی۔ مسلمان اس کو پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ملک کامل کے فوت ہونے کے بعد ۱۲۳۹ء میں ابو نصر داؤد بادشاہِ حران نے مقامات مقدسہ واپس لے لئے۔

سیزدہم ۔ ۱۲۴۹ء میں لوئی نہم بادشاہِ فرانس نے حملہ کیا۔ اور دمیاط کو فتح کر کے وہیں ہنگامۂ قتل و غارت گرم کیا۔ مگر مسلمانوں نے دوسرے ہی سال ۱۲۵۰ء میں صلیبیوں کو سخت شکست دی۔ شاہِ فرانس اور دوسرے امرا گرفتار کر لیے جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔

صلیبیوں کی ناکامی اور انتقام

مختصر یہ کہ اس ڈیڑھ سو سالہ مدت میں (۱۰۹۵ء سے ۱۲۵۰ء) تک بیت المقدس پہلی بار نوے[۹۰] سال اور دوسری مرتبہ دس سال مسیحیوں کے قبضہ میں رہا۔ اور دوسرے مقامات ارض مقدس صرف چند سال کے لیے ان کے زیر اثر رہے۔ صرف انطاکیہ اور صور پر ان کا قبضہ زیادہ عرصہ رہا۔ ازالا کے سلطان بیبرس

نے ۱۲۶۸ء میں اور صور ملک الاشرف نے ۱۲۹۱ء میں فتح کید اور ارض مقدس سے متحدہ یورپ کی یورش کا خاتمہ کر دیا۔

اس خفت کو مٹانے کے لئے اہل یورپ نے سپین پر حملہ کر دیا۔ وہاں ابو یوسف کے دست پروردہ ایک عیسائی رئیس نے مسلمانوں سے غداری کر کے اسلامی حکومت کی کمزوری کا سامان مہیا کیا۔ مگر ۱۲۲۸ء میں ابن الاحمر نے علم استقلال بلند کیا۔ اور غرناطہ کو دار الخلافہ بنا کر سپین میں اڑھائی سو سال تک باقی رہنے والی اسلامی حکومت کی بنیاد ضبط کی۔

اس کے بعد تین سو سال تک اہل یورپ اس طرف کا رخ نہ کر سکے۔ ۱۵۴۱ء میں چارلس پنجم شاہ ہسپانیہ نے یورپ سے فوج جمع کر کے ٹیونس فتح کیا اور محض ٹیونس کے دار الخلافہ میں ستر ہزار مرد و عورت قتل ہوئے۔ پھر الجیریا پر حملہ آور ہوا۔ مگر طوفانِ باد و باراں کے سامنے اس کا کوئی بس نہ چلا۔ اور واپس لوٹنا پڑا۔ ۱۵۷۴ء میں عثمانیوں نے ٹیونس دوبارہ حاصل کر لیا۔ مسلمانوں کے خلاف متحدہ یورپ کی ناکام کوششوں کا یہ آخری واقعہ ہے

صلیبیوں کے بعد

ارض مقدس پر مملوک سلاطین مصر کا قبضہ رہا۔ اور یہ انتہائی امن و امان کا دور شمار ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ ۱۵۱۷ء میں عثمانی ترکوں نے اقتدار حاصل کیا۔ سلطان سلیمہ اعظم نے ۱۵۳۷ء میں بیت المقدس کی تعمیر از سر نو شروع کر کے اس کی کھوئی ہوئی شان کو دوبالا کر دیا ۔۔۔۔۔ اس کے بعد دروزی شہزادہ فخر الدین نے

اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ۱۵۹۵ء سے ۱۶۲۴ء تک یہ صورت حال رہی ۔ بعد ازاں ظہیر الامیر (قبیلہ زیدان کا سردار) اور پھر ترکی سردار احمد الجزار حکمران ہوا ۔۔۔۔۔۔ انیسویں صدی میں ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۰ء تک مصری قبضہ فلسطین پر رہا ۔ اور اس کے بعد پھر سے ترکی اقتدار قائم ہو گیا ۔ اس دوران میں سرعت کے ساتھ نصرانی نو آبادیاں ارض مقدس میں قائم ہونی شروع ہو گئیں ۔ فرانسیسی اور روسی خانقاہوں کے علاوہ جرمنی گرجے تعمیر ہونے شروع ہو گئے ۔ ترکوں نے ان سے کوئی تعارض نہ کیا ۔ اس دوران میں یہودی بھی آ کر یہاں بسنے شروع ہو گئے ۔

انگریزی پالیسی آہستہ آہستہ اپنا کام کرتی رہی ۔ چنانچہ ایک طرف عرابوں سے ساز باز کی ۔ دوسری طرف ان کے اندر قومیت کا جذبہ پیدا کر کے ترکوں سے خود مختاری پہ آمادہ کر لیا ۔

برطانوی انتداب

چند عنوانات

برطانیہ کی وسیسہ کاریاں
برطانوی انتداب
فلسطین برطانوی اقتدار میں
عربوں کی تڑپ
عالم اسلام کی ہمدردیاں
انتداب کا خاتمہ

برطانیہ کی دسیسہ کاریاں: جنگ عظیم میں برطانوی سیاست دانوں نے وہ چال چلی کہ دوست دشمن ہو گئے۔ اور اپنوں کو غیروں سے بدتر سمجھنے لگے۔ ارض مقدس اور مکہ مکرمہ کی سرزمین پاک پر چشم روزگار نے یہ انقلاب دیکھا کہ مسلمان مسلمان کے خون کے پیاسے اور اغیار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے۔ عرب خود مختاری کے چکمے چپڑے وعدوں میں آکر فلسطین میں ترکوں کے خلاف ہو گئے غلام ہندی فوجیوں نے گنبد خضرا پر بھی گولیاں چلانے سے دریغ نہ کیا۔

جنرل ایلن بری کے ماتحت برطانوی افواج میں تین چوتھائی فوج عرب اور ہندوستانی مسلمان تھے۔ جو ترکوں کے خلاف صف آرا تھے۔ چنانچہ جنگ عظیم کی انتہا میں ہی فلسطین ترکوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔ اور چار سو سالہ ترکی اقتدار ختم ہو گیا۔

شام، شرق اردن، عراق اور عرب کی نئی حد بندیاں ہوئیں۔ قدیم جغرافیہ حرف غلط بنا دیا گیا۔ وحدت اسلامیہ ختم ہو گئی۔ شام کے علاقے فرانسیسی حکومت کے زیر اقتدار چلے گئے۔ فلسطین برطانیہ نے براہ راست اپنے قبضے میں لیا۔ شرق اردن میں امیر عبداللہ۔ عراق میں امیر فیصل اور مکہ میں شریف حسین کو اقتدار دے کر بالواسطہ اپنا تسلط قائم کر لیا۔

اس غیر فطری تقسیم (بندر بانٹ) کی مضحکہ خیزی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ فلسطین اس سے قبل شام کا ایک حصہ تھا۔ اور آج تک کبھی ایک مستقل ملک کی حیثیت میں جدا نہ ہوا تھا ــــــ شرق اردن کے نام سے تو سرے سے جغرافیہ میں کسی ملک کا وجود ہی نہ تھا۔ دریائے اردن کے مشرق میں خانہ بدوشوں

کا یہ ریگستانی علاقہ تھا۔ اس لئے علاقہ کو شرق اُردن کا نام دیا گیا۔

برطانوی انتداب

مندرجہ بالا تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سولھویں صدی سے ارض مقدس ترکوں کے زیر اقتدار تھا۔ اور یہ زمانہ ارض مقدس کی تاریخ میں نہایت فراغ اور اطمینان کا تھا۔ مگر برطانوی سیاست دان یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کہ عثمانی اقتدار اس قدر وسیع اور مستحکم ہو۔ چنانچہ انہوں نے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اور عربوں کے اندر وطنیت کا بُت کھڑا کر دیا۔ ہر ملک اور ہر خطہ کے سر پر وطنیت کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ عرب اپنے مسلمان بھائی ترکوں کی حکومت کے خلاف ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں پیرس کے اندر عرب کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اور وہاں عربوں کی آزادی کا پروگرام بنایا گیا۔

دوسری طرف شریف حسین (شریف مکہ) کو مرہنری میکموہن (برطانوی ہائی کمشنر) نے اور عبداللہ کو لارڈ کچنر (برطانوی ہائی کمشنر) نے ہموار کیا چنانچہ حجاز پاک اور ارض مقدس میں ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ترک مقابلہ میں انگریزی افواج اور عرب بھائیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن آخر کار دسمبر ۱۹۱۷ء میں جنرل ایلن بری نے بیت المقدس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اور بیک وقت عرب اور ترک دونوں کو باہر نکال دیا۔

۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے برطانیہ کو فلسطین کا انتداب عطا کر دیا۔ اور جولائی ۱۹۲۲ء میں کفن چوروں کی انجمن یعنی "لیگ آف نیشنز" نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔

فلسطین برطانوی اقتدار میں

ارضِ مقدس میں برطانیہ اپنے ہائی کمشنر کے ذریعے سفید و سیاہ کی مالک تھی۔ وہ عربوں سے پہلے وعدے کر چکی تھی۔ جنگِ عظیم میں یہود کی امداد کا احسان کی مرہونِ منت بھی تھی۔ ڈاکٹر ویزمین (صدر تحریک صیہونیت عالمی) نے اپنی کیمیاوی ایجادات کے ذریعے بہت بڑے احسان کئے تھے۔ اور معاوضہ نقدی کی صورت میں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ معاشی بحران کے وقت یہودی بنک اور یہودی سرمایہ داروں نے جنگی قرضہ اور چندے دے کر آڑے وقت میں برطانیہ کا ساتھ دیا تھا۔

برطانوی مدبر اور سیاست دان یہودیوں سے ذاتی تعلقات اور گہرے مراسم کے باعث بھی انہیں ناخوش کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور تو اور ان دنوں برطانیہ کا وزیر نوآبادیات مسٹر ایڈون مانٹیگ یہودی النسل تھا۔ ان تمام سازشوں اور گٹھ جوڑ کا اثر یہ ہوا۔ کہ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور نے ایک رسوائے عالم اعلان کے ذریعے رضامندی ظاہر کی کہ حکومتِ برطانیہ ارضِ مقدس میں یہود کا قومی وطن بنانے میں تعاون کرے گی اس کے ساتھ ہی عربوں کو یقین دلایا کہ وہ اُن کے حقوق کی نگہداشت بھی پیشِ نظر رکھے گی۔ اور اُن کے مفاد کو نقصان نہ پہنچائے گی۔

اعلانِ بالفور اس قدر اہم تھا۔ جس سے دونوں ہی اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہو گئے۔ تمام ممالک کے یہودی ہزاروں کی تعداد میں فلسطین میں آباد کئے جانے لگے۔ عربوں کی زمینیں دھڑا دھڑ خریدی جانے لگیں۔ زمینوں کی کاشت اور

منڈیوں کی تجارت سے انہیں بے دخل کیا جانے لگا۔ مگر تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا ــــــــــــ ۴ اور ۵۔ اپریل ۱۹۲۰ء کی تاریخوں میں عربوں نے کئی بار یروشلم کی چھاؤنی پر حملے کئے۔ اس قسم کے ہنگامے اور بھی بہت سے ہوئے۔ ان ناخوشگوار حالات سے متاثر ہو کر ۔ جولائی ۱۹۲۰ء کو سرہربرٹ سیموئیل کی زیر نگرانی ایک نام نہاد شہری حکومت بنائی گئی۔ مگر اس سے بھی تعلقات بہتر نہ ہوئے بلکہ کشیدگی اور بڑھ گئی۔ چونکہ اس وقت فلسطین میں برطانوی ہائی کمشنر سرہربرٹ سیموئیل مذہباً یہودی تھا۔ اور صیہونیت کا پرجوش لیڈر ــــــــــ برطانیہ کی یہود نوازی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ جب ۱۹۲۱ء میں مسلمان اور فلسطینی عیسائیوں کا متحدہ وفد لندن گیا۔ تاکہ حکومت برطانیہ سے فلسطین کی پالیسی کی وضاحت چاہے۔ تو اس کمیشن کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس یہودی کمیشن سے گفت و شنید کرے جو صیہونی والے نے فلسطین میں قائم کیا تھا۔ پھر ۱۹۲۲ء میں شہنشاہ برطانیہ کی سالگرہ کا وقت آیا۔ تو اتفاق سے وہ یہودی سبت کا دن تھا۔ ان کی دلداری کے لئے سالگرہ کی تقریب دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ حالانکہ اس سے ایک سال قبل یہی تقریب جمعہ کے دن منائی جا چکی تھی۔

اس دوران میں یہودیوں کو بے شمار اسلحہ پہنچایا گیا۔ اور مہاجرین کو ایک سیلاب کی صورت میں ارض مقدس میں بھیجا گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کا ایک واقعہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ کہ تل عفیف کے ایک یہودی کے نام کئی سو سیمنٹ کی بوریاں آئیں۔ مگر اتفاق سے محکمہ کسٹم کے افسروں نے انہیں

کھول کر جو دیکھا۔ تو اُن میں (۳۰۰) رائفل (۵۰۰) سنگینیں اور (چار لاکھ) کارتوس نکلے ـــــــ ۱۹۳۰ء میں "قرطاس ابیض" کی رو سے وعدہ کیا گیا کہ فلسطین میں آبادی کے تناسب سے مجلس مقننہ قائم کی جائے گی۔ یہود نے مخالفت کی۔ چونکہ ان کا تناسب کم تھا ۱۹۳۵ء میں جب ان کی تعداد کافی بڑھ گئی۔ تو ہائی کمشنر فلسطین نے اسمبلی کے قیام کا اعلان کر دیا۔

عربوں کی تڑپ

۱۹۲۹ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ اور فسادات شدید نوعیت کے ہوئے۔ ہر طرف بدامنی اور بے چینی پھیل گئی۔ برطانوی استعمار پسندوں نے انتہائی ظلم و ستم ڈھائے۔ کرفیو عام لگایا جانے لگا۔ آمدورفت پر لائسنس ضروری قرار دیئے گئے۔ ڈاک پر سنسر بٹھا دیا گیا۔ اسلحہ کی ضبطی اور جلاوطنی روزمرہ کی ایک عام بات ہوگئی۔ ظلم اور ستم انتہائی شدید نوعیت کا تھا۔ اور بیرونی امداد کی کوئی توقع نہ تھی۔ لیکن عرب اپنی جدوجہد میں مصروف رہے۔ ۱۹۳۶ء میں عربوں نے ایک طویل اور ہمہ گیر تاریخی ہڑتال کی۔ جو آخر میں کئی خطرناک فسادات کی صورت میں بدل گئی۔ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء میں اس صورت حال کی تحقیق کے لئے لارڈ پیل (LARD PEAL) کی زیر قیادت ایک "شاہی کمیشن" مقرر کیا گیا۔ عربوں نے اس کمیشن سے اس شرط پر تعاون قبول کیا۔ کہ کمیشن غیر مشروط طور پر یہود کا داخلہ بند کر دے۔ کمیشن نے یکطرفہ تحقیقات شروع رکھیں۔ اور سفارش کی کہ یہود کا داخلہ جاری رہے۔ مگر کچھ پابندیاں لگا دی جائیں۔ یہود نے بھی اس فیصلہ کی

کی اس لئے کہ وہ برطانیہ کے منہ چڑھے ہوئے تھے۔ اور کوئی پابندی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ —— دو سال کے بعد ۱۹۳۸ء میں دوسرا برطانوی شاہی کمیشن فلسطین بھیجا گیا۔ یہ "وڈ ہیڈ ٹیکنیکل کمیشن" تھا۔ اس کمیشن نے "تقسیم فلسطین" کی ہولناک شیطانی تجویز پیش کی۔ تمام زرخیز اور شاداب حصہ یہود کے لئے بین الاقوامی اہمیت کا علاقہ برطانیہ کے لئے۔ اور وہ پہاڑی علاقہ عربوں کے لئے تجویز کیا گیا۔ جو نہ قابلِ کاشت تھا۔ اور نہ آباد۔ عربوں نے اس تقسیم پر شدید احتجاج کیا۔ آخر حکومت برطانیہ نے اس بندر بانٹ کو ناممکن العمل قرار دے دیا —— تقسیم فلسطین کا یہ شوشہ ارض مقدس کے لئے ہمیشہ کے واسطے شرارت کا بیج بن گیا۔ چنانچہ اس سال ۱۹۳۸ء کے فساد میں ۱۱۶۸ عرب اور یہودی ہلاک ہوئے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حکومت کے جمع کردہ اعداد و شمار صحیح ہوں۔

عالم اسلام کی ہمدردیاں:

عربوں پر یہ داخلی اور خارجی مظالم دیکھ کر پوری اسلامی دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ عراق، شام، مصر، حجاز، ایران، چین، تونس، مراکش اور ہند غرض ہر جگہ مسلمانوں نے برطانیہ کے خلاف پُر زور احتجاج کیا۔ ذیل میں ہم مسلمانانِ ہند کے جذبات کا مختصر اظہار کرتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کے زیر اہتمام یوم فلسطین منایا گیا۔ جولائی ۱۹۳۶ء کو الہ آباد میں فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے کئی اہم فیصلے کئے۔ جن میں چند خاص یہ تھے ہم اگر داخلہ یہود پر عذر نہ کیا گیا تو ہم ہندوستان میں رسم تاجپوشی کا مقاطعہ کر دینگے۔

جنگ میں ہرگز تعاون نہ کریں گے۔۔ اور برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دینگے
نومبر ۱۹۳۶ء میں پھر شہر دہلی کے اندر دوسری فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی
اور اکتوبر ۱۹۳۷ء کو کلکتہ میں فلسطین کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس وفد کے
رئیس مشہور قائد عبدالرحمٰن صدیقی ممبر آل انڈیا مسلم لیگ تھے ۔۔۔۔ اس
سال چند یوم بعد میرٹھ میں ایک اور کانفرنس ہوئی۔ ۱۹۳۸ء میں لندن میں گول
میز کانفرنس ہوئی۔ ہندوستان کے مسلمان نمائندوں کو شریک نہ کیا گیا۔ البتہ اُن کے
نظریات تحریری طور پر پیش ہوئے ۔۔۔۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں
ہندوستان کے غریب مسلمان اس قدر مجبور و مقہور تھے۔ کہ دوسروں کے لئے
تو کیا اپنے لئے کچھ نہ کر سکتے تھے۔

برطانوی انتداب کا خاتمہ:

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کی رات کو ۱۲ بجے برطانوی انتداب کے خاتمہ کا اعلان ہُوا۔
یہ انتداب ۲۴ سال ۷ ماہ اور ۱۴ دن پہلے ارض مقدس میں قائم ہوا تھا۔ انتداب
کے خاتمہ سے آٹھ گھنٹے قبل ہی پہلے سے تیار کی ہوئی سازش کے مطابق یہودیوں
کی طرف سے حکومت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کو ابھی دو منٹ
گزرے تھے کہ امریکہ جیسی بڑی طاقت نے خلاف دستور اس مفروضہ اسرائیلی ریاست کو
تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا ۔۔۔ ۱۶ مئی کو یہودیوں نے علی الاعلان عرب حکومتوں سے
جنگ شروع کر دی۔ ارض مقدس کے عیسائی عربوں کے دوش بدوش یہودیوں کے خلاف لڑ
رہے ہیں۔ دنیا حیران ہے کہ حکومت برطانیہ اپنے کئے ہوئے وعدوں سے کیوں پھر گئی۔ اور
روس اشتراکیت کا علمبردار یہود سود خور کا کیوں غمخوار بن گیا۔ یہ محض اسلام دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔

صیہونیت اور دوسری یہودی تحریکات

چند عنوانات

صیہونیت کا پس منظر
مغرب سے یہود کا اخراج
ابتدائی تحریکات
صیہونیت کا بانی و صدر
مقاصد
یہودی نوآبادیاں
یہود کا قومی وطن
دہشت پسند جماعتیں
وغیرہ وغیرہ

صیہونی تحریکات کا پس منظر

یہودی تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ کسی ملک میں ان کی اکثریت یا واضح تعداد نہ تھی۔ وہ تمام دنیا میں بین الاقوامی قوانین کے ماتحت آباد تھے۔ کہیں انہیں قومیت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ کسی ملک کی قومی اور انقلابی تحریکوں میں حصہ نہ لے سکے۔ بلکہ محض تماشہ بین بنے رہے۔ خفیہ تحریکیں چلانا یا پس پردہ سازشیں کرنا ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ چنانچہ ہر نیا انقلاب اُن کے لئے پیام مرگ لایا۔ یہ تھا تحریک صیہونی کا ایک سبب۔

فلسطین پر سیاسی غلبہ کی خواہش ابتداء سے ان کے اندر رہی۔ چنانچہ کئی درجن اشخاص نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنا مقصدِ بعثت اس آرزو کا حصول بتایا۔ ہم ان میں سے چند ایک دعویداران مسیحیت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) بارکوچیبہ (۱۱۷ ع تا ۱۱۸ ع) دومتہ الکبریٰ میں (۲) اقریطش کا موسیٰ نامی یہودی (چوتھی صدی) (۳) سیرن (SERONE) نامی یہودی (آٹھویں صدی) (۴) ابو عیسیٰ عبیدہ یہودی۔ ایران میں۔ (۵) داؤد نے (۱۱۶۰ء) میں دعویٰ کیا۔ (۶) منا مسیح بن اسرائیل نے (۱۶۰۴ تا ۱۶۵۷) انگلستان میں اس دعوے سے یہود کو اپنے ساتھ ملایا۔

یہ یہودی اقلیت دنیا کے ہر ایک ملک میں ذلیل ہوئی۔ تو اس کی ذلت کا سبب اس کی "روشنی طبع" بھی بنی۔ ان کی قلیل اقلیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے۔ کہ یہ فرانس میں صرف ۱۴-فی صدی، اطالیہ میں ۱۲ فیصدی اور جرمنی میں ۲۳ فی صدی تھے۔ لیکن اُن میں علم و فضل اور فکر و تحقیق کے اعتبار سے کئی بڑی شخصیتیں

پیدا ہوئیں۔ جو ان ممالک پر چھا گئیں۔ صرف انیسویں صدی میں جو اہم شخصیتیں برسرِ کار آئیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) یعقوب میئر بیر JACOB MEYER BEER (۱۷۹۱ء تا ۱۸۶۴ء) فلاسفر اور سائنٹسٹ (۲) فیلکس مینڈلسان (FELIX MENDEL SSOHN) (۱۸۰۹ء تا ۱۸۸۷ء) فلاسفر اور سائنٹسٹ (۳) برتھولڈ آدرباخ فلاسفر اور سائنٹسٹ (۱۸۱۲ء تا ۱۸۸۷ء)

(۴) لڈوک بامبرگر سیاست دان (۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۹ء) (۵) ایڈورڈ لاسکر مدبر (۱۸۲۹ء تا ۱۸۸۴ء) (۶) ہیمن اشتھل ماہر السنہ (۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۹ء) (۷) مارشل مارس (MORITZ LAZRUS) ماہر السنہ (۱۸۲۴ء تا ۱۹۰۳ء) (۸) جنرل گستاف ویلیتین۔ جغرافیہ دان (۱۸۱۰ء تا ۱۸۸۳ء) (۹) کارل مارکس مشہور انقلابی (۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۳ء) (۱۰) ہینرش ہائنے مشہور شاعر (HEINRICH HEINE) ۱۷۹۹ء تا ۱۸۵۶ء۔

اس بڑھتے ہوئے یہودی اقتدار کو مغربی ممالک برداشت نہ کر سکے۔ مزید برآں یہ کہ عیسائی مذہب کی ابتدائی تاریخ میں خود مسیح پر جو مظالم یہود نے کئے تھے ان کی یاد ہمیشہ ان کے واسطے نفرت و حقارت کا موجب بنی۔ ہر عیسائی مذہبی حکومت نے یہود سے بدلہ لینا اپنا مقدس فریضہ سمجھا۔ چنانچہ ہم ذیل میں چند ممالک کا ردِ عمل پیش کرتے ہیں۔

مغربی ممالک سے یہود کا اخراج

جرمنی سے: سامی دشمنی کے نام پر جرمنی میں یہود کا بدترین مخالف

پرنس بسمارک ہوا۔ کیونکہ یہود کے دو سیاستدانوں (لاسکر اور بامبرگر نے سیاسی حیثیت میں پرنس کی سخت مخالفت کی تھی۔ اس کی دشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی میں یہود دشمنی روز بروز بڑھتی گئی۔ خصوصاً ۱۸۸۱ء کے اندر روس میں یہودی قتل عام کے بعد تو حالات بہت ہی خراب ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد جرمنی کا چانسلر ہٹلر ڈکٹیٹر کی صورت میں ایک بلائے ناگہانی بن کر آیا۔ اور اس نے انتہائی ذلیل کن صورت میں جرمنی سے یہود کو ملک بدر کر دیا۔ اُن کے سرمائے ضبط کر لیے گئے۔ شہری حقوق چھین لیے گئے۔ اور معاشرتی طور پر انتہائی تذلیل و تحقیر کی گئی۔

روس سے: الیگزنڈر دوم زار روس کے قتل کے بعد روس میں یہود کے خلاف جذبۂ نفرت بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں ایسٹر کے موقع پر کھیرسن (KHERSON) میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ یہودی اس تہوار کے موقع پر عیسائیوں کے خون میں روٹی کا آٹا گوندھتے ہیں۔ اس پر شدید بلوہ ہوا۔ اور پوری یہودی آبادی کو تباہ و برباد کر ڈالا گیا۔

کیو (KIEV) کے مقام پر دو ہزار یہودی خانماں برباد کر دیئے گئے اور آیندہ چند ہفتوں کے اندر تمام مغربی روس یہود کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔ اُن کے مکانات مسمار کر دیئے گئے۔ سرِ بازار ان کی خواتین کو بے حرمت کیا گیا۔ یہ قتل و غارتگری کا ہنگامہ تقریباً ۱۶۷ شہروں میں جاری رہا۔ یہ قتل و غارتگری روس کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھی۔ ستر ہزار یہودی بمشکل جانیں بچا کر روسی سرحد سے پار ہو سکے۔ —— اس کا معاشی اثر روس پر بے حد

خطرناک ہوا۔ کاروبار بند ہو گئے۔ بنکوں کا کاروبار معطل ہو کر رہ گیا۔ قحط اور گراں سالی حد سے بڑھ گئی۔ لیکن ۱۸۹۵ء میں یہ یہود دشمنی سرد ہوئی۔ لیکن بہت جلد یعنی ۱۹۰۳ میں پھر ہنگامے شروع ہو گئے۔

روما نیا سے جرمنی اور روس کے بعد رومانیا میں یہود پر قتل و غارتگری کے ہنگامے بپا ہوئے۔ ہر چند وہ صدیوں سے اس ملک میں آباد تھے۔ مگر انہیں حقوق شہریت ہرگز نہ عطا کئے گئے۔ آخر کار ۱۹۰۲ء میں انہیں اس ملک کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔

برطانیہ: اٹھارھویں صدی میں انگلستان کے پادریوں کی کانفرنس نے طے کیا کہ یہود ایک خاص قسم کا لباس پہنیں تاکہ ان کی شناخت ہو سکے مقصد اُن کی تذلیل اور رسوائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر عوام کو اُن سے بچا کر ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ کرنا مقصود تھا۔ یہودی پھر بھی سازش اور فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے۔ تو اُن کی رہائش کے لئے چند محلے مخصوص کر دیئے گئے۔ ان کے گرد لوہے کی جالی لگا دی گئی۔ اور رات کے وقت ان کے دروازوں کو مقفل کر دیا جاتا۔ ان کی زبان عبرانی مردہ اور ناقابل توجہ ہو چکی تھی۔ اور خود لفظ یہود گالی تصور کیا جانے لگا تھا۔ حتیٰ کہ ایڈورڈ اول نے تو یہودی زعماء کو انگلستان سے اخراج کا ہی حکم دے دیا۔

ابتدائی تحریکات

موجودہ تحریک صیہونیت سے قبل ایک عرصہ دراز سے مشرق و مغرب میں یہودی متعدد طریقوں سے فلسطین کے حصول کی کوشش کر رہے تھے۔ ذیل میں

چند شخصیتوں اور تحریکوں کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) راتھس چائلڈ نے ارض مقدس میں یہود کے داخلہ اور قیام کی کوششوں میں بے شمار دولت صرف کی۔

(۲) لارڈ بیکنس فیلڈ۔ لارڈ سالس بری اور مسٹر لارنس اولی فینٹ نے برطانیہ میں اس امر کی کوشش کی کہ ترکی حکومت یہود کو آزادی کا چارٹر عطا کرے۔

(۳) ۱۸۵۴ء میں لندن کے ایک یہودی نے ایک کمپنی اس مقصد کے لئے جاری کی۔

(۴) ۱۸۷۶ء جارج ایلیٹ نے "ڈانیال ڈیروندا" نامی کتاب شائع کرائی۔ اور "یہودی اساین" نام سے ایک سوسائٹی قائم کی۔ جس کا مقصد لبظاہر ارض مقدس میں زراعتی نو آبادیوں کا قیام تھا۔

(۵) مسٹر کزنالیٹ نے تجویز پیش کی کہ یہودی سرمایہ سے وادی فرات میں ریلوے لائن نکالی جائے۔

(۶) بیرن ڈی ہرش نے نو آبادیوں کے قیام کی تحریک شروع کی۔ اور اس مقصد کے لئے اپنی جیب خاص سے نوے لاکھ پونڈ کا عطیہ دیا

ان کوششوں کے علاوہ متعدد ایسی تحریکات شروع کی گئیں جن کا مقصد دوسرے ممالک میں یہودی خود مختار ریاست قائم کرنا تھا۔ حصول مقصد کے لئے کئی ادارے، مجالس اور امدادی محکمے کھولے گئے۔

تحریک صیہونیت کا بانی

انیسویں صدی کے آخر میں مشرقی یورپ کے یہودی خاص طور پر قومی وطن بنانے کی فکر میں تھے۔ ۱۸۹۶ء میں ایک یہودی اخبار نویس ڈاکٹر تھیوڈر ہرسٹل

نے "ریاست یہود" کے نام سے ایک رسالہ شائع کرکے باقاعدہ قومی وطن کا تصور یہود کے سامنے پیش کیا۔ اس کی تحریک کے بڑے مقاصد دو تھے۔ یہودی ایک علاقہ میں جمع ہو جائیں۔ اور بہتر ہو کہ ان کا یہ قومی وطن فلسطین کی ارض مقدس ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ دیگر ممالک ان کی خودمختاری کو تسلیم کرلیں ——— ڈاکٹر تھیوڈر ہرسٹل نے اپنی پوری زندگی ان مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کردی۔ اس نے ترکی کے مشہور فرمانروا سلطان عبدالحمید سے اس سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں کیں تاکہ عثمانی حکومت فلسطین میں یہود کے قومی وطن کی تجویز تسلیم کرلے۔ اور انہیں کچھ مراعات دے دے مگر اسے اس مقصد میں ناکامی رہی تحریک صیہونیت کا یہ ابتدائی محرک ۱۹۰۲ء میں مرگیا۔ مگر اپنی موت سے قبل وہ یہود نوآبادی بنک اور یہودی بیت المال قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا ——— ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بال (BASLE) میں یہودی کانگریس کا اولین اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں مختلف ممالک کے یہود نے شرکت کی۔ کئی تجاویز زیر بحث آئیں۔ بالآخر قرار پایا۔ کہ یہ کانگریس فلسطین کو یہود کا قومی وطن بنانا چاہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو ابتدائی تحریک "انجمن محبین صیہون" (ZIONIST ORGNIS.ITION) کے نام سے شروع کی گئی تھی اسے منظم کرلیا گیا۔ اور اب باقاعدہ فلسطین میں ہجرت کی تحریک شروع ہوگئی سب سے پہلے روس کے کچھ یہودی ترک وطن کرکے فلسطین گئے۔ مگر ہجرت یہود کی یہ پہلی تحریک چنداں کامیاب نہ ہوسکی۔

تحریک صیہونیت کا صدر

بیسویں صدی کے آغاز میں تحریک کا صدر ڈاکٹر ہیم ویزمن (DR. CHAIM WEIZ MAN)

تھا۔ وہی اب ریاست اسرائیل کا صدر اسرائیل ہے۔ اُن دنوں ڈاکٹر وینرمین مانچسٹر یونیورسٹی میں فن کیمیا (کیمسٹری) کا لیکچرار تھا۔ اتفاق سے مشہور برطانوی مدبر آرتھر جیمس بالفور کا حلقہ انتخاب اس یونیورسٹی کا تھا۔ اس طرح ڈاکٹر وینرمین نے بالفور سے تعاون کر کے ساز باز کر لی۔ اس کے علاوہ دوسرا موقع یوں پیدا ہوا۔ کہ جنگ عظیم میں برطانیہ کے پاس بھک سے اڑ جانے والے مادہ کا فقدان تھا۔ چونکہ اس کا ایک جزو (ACETONE) جرمن سے ہی دستیاب ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر وینرمین نے اس کٹھن وقت میں مصنوعی طور پر وہ جزو تیار کر کے برطانیہ کی بڑی پریشانی کو دور کر دیا۔ بعد میں برطانوی گورنمنٹ نے اس کا معاوضہ مالی صورت میں ادا کرنا چاہا۔ مگر ڈاکٹر وینرمن نے نقدی لینے سے انکار کر دیا۔

ایک تیسرا موقع یہ حاصل ہوا۔ کہ ان دنوں برطانیہ کا وزیر نوآبادیات مسٹر ایڈون مانٹیگ (MONTAGUE) تھا۔ جو یہودی النسل تھا۔ مختصر یہ کہ ان حالات سے ڈاکٹر وینرمین اور اس کے ساتھیوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور وہ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کا مشہور اعلان بالفور شائع کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

تحریک صیہونیت کے مقاصد:

گو ابتداء میں تحریک کے مقاصد کو نہایت شدومد سے پردہ اخفا میں رکھا گیا۔ اور اس مقصد کے لئے ہر ممبر سے حلف لئے گئے۔ مگر جو بات زیادہ لوگوں میں منتشر ہو جائے۔ وہ کبھی راز میں نہیں رکھا جا سکتا۔ ذیل میں تحریک صیہونیت کے چند مقاصد اور وسائل درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہود مالی لحاظ سے عالمگیر غلبہ اور سلطنت حاصل کریں۔

(۲) یورپ کے مختلف ممالک میں کانفرنسیں کر کے یہودیوں میں تعاون و اتحاد اور اشتراک عمل پیدا کیا جائے۔ (۳) نشر و اشاعت کو زیادہ تیز کیا جائے۔
(۴) بدامنی جنگ و جدل اور احتجاجی مظاہرات سے ملکی فضا کو مکدر کیا جائے۔
(۵) صاحب اقتدار حلقے کے متعلق عوام میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔
(۶) حصول مقصد کے لئے مخالف زعماء کو قتل کر دیا جائے۔
(۷) اخلاقی، ثقافتی، اجتماعی اور سیاسی و مالی اعتبار سے دوسری اقوام کو شکست دی جائے۔
(۸) ارض مقدس کو یہود کا ملی وطن بنانے کی انتہائی کوشش کی جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کی خاطر دنیا کی چھوٹی بڑی جماعتوں کو ساز گار اور ہموار بنایا جائے۔

تحریک صیہونیت کی ہمہ گیری۔

اس مرکزی انجمن کا ممبر بننے کے لئے ہر عاقل بالغ یہودی کو حقدار قرار دیا گیا ایک شلنگ اس کا سالانہ چندہ مقرر تھا۔ ۱۹۲۵ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۲ لاکھ تھی۔ اور مختلف ممالک میں اس کی ۲۷ شاخیں تھیں۔ اس وقت دنیا بھر میں اس کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور بارہ تیرہ لاکھ کے درمیان اس کے ممبر بھرتی ہو چکے ہیں۔ یہ ہے تحریک صیہونیت کی ہمہ گیری اور وسعت کا حال تحریک کی مضبوطی اس کے سرمایہ اور تنظیم سے ظاہر ہے۔ جس کا نقشہ آپ ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

تحریک صیہونیت کا مرکزی تصور ارض مقدس میں یہود کا قومی وطن بنانا تھا جس میں اُن کے لئے کافی دلکشی اور جاذبیت تھی۔ مذہبی داعیہ اور سیاسی لگن اس تحریک سے وابستہ تھی۔ اس مقصد کو کامیاب بنانے میں دو چیزوں بہت ہی ممد و

معاون ہوئیں۔ یہود نوآبادی بنک اور یہودی بیت المال۔ یہ بنک ڈاکٹر تھیوڈر ہرسٹل کی کوششوں سے ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا۔ بنک کا راس المال تیس لاکھ پونڈ مقرر ہوا۔ پہلے ہی سال میں فوراً چار لاکھ پونڈ کی رقم جمع ہو گئی۔ بیرن دی ہرش (BARAN THE HIRSCH) نے فلسطین میں یہود کی نوآبادی قائم کرنے کیلئے اپنی جیب سے تیس لاکھ پونڈ کا عطیہ دیا۔

زمین کی خرید۔ بیت المال کا تمام تر سرمایہ فلسطین میں یہود کے زمین کی خرید اور نوآبادیات کی تعمیر کے لئے وقف ہو گیا۔ اراضی کی خرید نہایت ہی منظم صورت میں شروع ہوئی۔ ۱۹۱۴ء تک بیس ہزار ستام اراضی خریدی گئی ۲۴-۱۹۱۸ء کے درمیان اس سرمایہ سے ۱۴ لاکھ ستام اراضی خریدی گئی اور نوآبادیات کے مصارف میں ۹۷ لاکھ ۰۷ ہزار پونڈ خرچ کئے گئے۔ صرف ایک سال ۱۹۳۵ء میں فلسطین کے اندر زمین کی خرید پر جو رقم صرف ہوئی وہ ایک لاکھ ۵۱ ہزار ۴ سو پونڈ تھی۔ (۱۵۱۴۰۰) یہود کی بڑھتی ہوئی خرید اراضی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ عظیم سے پیشتر ارض مقدس میں وہ صرف ایک لاکھ ایکڑ زمین کے مالک تھے۔ مگر ۱۹۴۲ء میں ان کے قبضہ کے اندر ایک کروڑ چار لاکھ ۳۲ ہزار (۱۰۴۳۲۰۰) ایکڑ زمین آچکی تھی۔ تحریک صیہونیت کے اس پہلو پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ کہ اگر کوئی قوم زندہ رہنے اور سربلندی حاصل کرنے کا داعیہ پیدا کر لے۔ اپنے مقاصد کے لئے مخلصانہ جدوجہد کے ساتھ سرگرم عمل ہو جائے۔ تو بسا اوقات ناممکن امور بھی ممکن ہو جایا کرتے ہیں۔

نو آبادیاں۔ یہ صیہونیوں کی شہر بندی کا حال تھا۔ اب ذرا ان کی نو آبادیوں کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔ سب سے پہلے ۱۹۰۹ء میں جافہ کے نزدیک پہلی نو آبادی کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا نام تل بیب "رکھا گیا جس کے معنی ہیں۔ "بہار کی پہاڑی"۔ بعض لوگ اس کا تلفظ تل عفیف کرتے ہیں ۱۹۱۴ء میں اس نو آبادی میں صرف ۱۸۲ یہودی خاندان آباد تھے۔ مگر ۱۹۲۲ء میں اس شہر کے نو آبادکار پندرہ ہزار ۱۹۳۲ء میں ۵۴ ہزار ہو گئے۔ اور ۱۹۴۸ء میں صرف شہر کے بسنے والوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۵ ہزار تک پہنچ گئی۔

تل ابیب کے علاوہ رفتہ رفتہ دوسری نو آبادیاں قائم کی جانے لگیں۔ آج سے ۱۷ سال قبل نو آبادیوں کی تعداد ۱۲۰ سے متجاوز ہو چکی تھی یہی تل ابیب شہر موجودہ خود ساختہ ریاست اسرائیل کا دار الخلافہ ہے۔ یہ نو آباد شہر ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہاں بحری بندرگاہ اور ہوائی مستقر بھی ہے۔ اعلیٰ درجہ کے کارخانے۔ کاروباری مراکز ادبی اور سیاسی ادارے شہر میں موجود ہیں۔ آج سے ۸ سال قبل اس ایک یہودی نو آبادی میں ۸۸ پریس تھے اور ۱۷ رسالے اور اخبار یہاں سے نکلتے تھے۔

بڑھتی ہوئی آبادی: تحریک صیہونیت کے زور سے یہود کی بڑھتی ہوئی آبادی پہ نظر ڈالیں۔ تو وہ اور بھی حیران کن ہے۔ ارض مقدس میں یہود کے بتدریج بڑھنے کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہو سکے گا۔

۱۹۱۵ء میں یہود کی کل تعداد ۸۶ ہزار	۱۹۳۸ء میں یہود کی کل تعداد ۳۲۵۰۰۰ لاکھ
۱۹۲۲ء میں یہود کی کل تعداد ۸۳۷۹۴ ہزار	۱۹۴۴ء میں 〃 〃 〃 ۵۲۸۷۰۲ لاکھ ہو گئی۔
۱۹۳۵ء میں یہود کی کل تعداد ۳۰۸۰۰۰ لاکھ	

۹ ستمبر ۱۹۴۴ء کو محمد قادری بے (شامی نمائندہ) نے مصر میں ایک بیان دیتے ہوئے بتایا۔ کہ اس وقت ناجائز طور پر داخلہ کے باعث فلسطین میں یہود کی تعداد ۷ لاکھ ۵ ہزار ہو چکی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ تیس سال کی قلیل مدت میں یہودی ۸ فی صدی سے ۳۳ فی صدی ہو گئے ہیں۔ جو غالباً دنیا کے اندراعداد و شمار کی ایک ہی مثال ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سرعت کے ساتھ بڑھنے والی آبادی قدرتی وسائل سے نہیں بڑھی۔ بلکہ یہ اکثریت اور حیران کن اکثریت باہر سے آنے والے آبادکاروں پر مشتمل ہے۔ جو غیر قانونی طور پر آئے اور برطانوی اعلانات کے علی الرغم آئے۔

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے بعد فلسطین پر برطانوی انتداب قائم ہو گیا اور حکومت برطانیہ کی حمایت و اعانت سے تحریک صیہونیت پورے زوروں پر کام کرتی رہی۔ عربوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ ہڑتالیں ہوئیں۔ فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ عظیم بغاوتیں کھڑی ہوئیں۔ اور کشت و خون کی نوبت آگئی۔ کئی برطانوی کمیشن آئے۔ اور بار بار عربوں سے وعدے کئے گئے۔ ان مواعید کا اعلان کیا گیا کہ یہود پر داخلہ کی پابندی لگا دی گئی ہے۔ اور اُن کا داخلہ ارضِ مقدس میں محدود کر دیا گیا ہے۔ مگر ان وعدوں پر کبھی عمل نہ ہوا۔

برطانوی حکمت عملی:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہودی اس سرعت سے فلسطین میں کیسے جمع ہو گئے؟ جب انہوں نے اراضی کی خریداری شروع کی۔ تو عرب کیوں تماشہ دیکھتے رہے؟ "محافظ اسلام" برطانیہ نے کیوں مداخلت نہ کی؟ ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے"۔ یہود کی تنظیم و سرمایہ۔ برطانیہ کی ملی بھگت

اور مجرمانہ خاموشی۔ عربوں کی غفلت اور آپس کی پھوٹ۔ برطانوی دو عملی کا کس
قدر واضح مظاہرہ ہے اس طرز عمل میں کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں پنجاب کے
اندر زمیندار اور غیر زمیندار کی تقسیم کرکے غیر زمینداروں کو زمین کی خریداری کے
حق سے یکسر محروم کر دیا۔ خواہ زمیندار ٹھیٹھ پنجابی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کی
ضرورت کیسی ہی شدید کیوں نہ ہو۔ لیکن فلسطین میں غیر ملکی/غیر مذہب اور
غیر قومیت والے سرمایہ دار یہود کو اجازت۔ امداد دی۔ اور ان کے لئے ہر ممکن
سہولتیں مہیا کیں۔ تاکہ وہ عربوں کی اراضی خریدیں۔ اور ان کے حقوق غصب
کریں ــــــ دوسری طرف عربوں کی غفلت اور پھوٹ حد سے زیادہ بڑھ
چکی تھی۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ اور جب موقع تھا اس وقت وہ چارۂ
کار کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جب ہوش آیا۔ تو تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ان کی
غربت و افلاس اور یہود کے سود در سود قرضہ نے انہیں ناکارہ کر دیا تھا۔
وہ برطانوی عیاروں کے وعدوں پر تکیہ کئے بیٹھے رہے۔ مگر وعدوں کا
پاس کون کرتا ہے اور پھر فرنگی؟ کاش! دنیا کے مسلمان اس حقیقت
کو سمجھ لیں اور ایک ہو جائیں۔ غالباً اسلامی دنیا کے لئے یہ آخری موقع
ہے کہ وہ متحد ہو کر اپنا مقام پیدا کرتے ہیں یا منتشر ہو کر لقمۂ اجل بنتے ہیں۔

یہود کی دہشت پسند جماعتیں

اس عام تحریک کے علاوہ یہود کے اندر کئی دوسری خفیہ اور انتہائی دہشت
پسند جماعتیں کھڑی کی گئیں۔ ان میں سے ایک "شبان صیہونیت" تھی۔ اس کا
بانی "سیکفرا" نامی ایک نوجوان تھا۔ اس نے حضرت موسیٰؑ کے نام پر "بنی موشہ" جماعت

بنائی اور نوجوانوں کو منظم کرنے کے لیئے تشہادِ صیہونیت کے نام پر پیو کر جمع کیا سیکلو لنے کانفرنس میں تجویز پیش کی۔ کہ صیہونیت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مجلس عاملہ بنائی جائے۔ چنانچہ یہودی زعمانے مان لیا۔ اور ان کو حکماء صیہون کے پلے خفر نام سے پکارا جانے لگا۔ ان لوگوں نے سیاسی اصطلاحات کو یوں متعین کیا۔ (۱) سیاست اور اخلاق میں کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ سیاست میں ہر مکر و فریب جائز ہے۔

(۲) سیاست نام ہے طاقت اور قوت کا لہذا جو میں چاہوں وہ مجھے دو تاکہ ثابت کروں کہ میں تم سے زیادہ طاقت کا مالک ہوں۔

(۳) ہمارا قومی شعار طاقت اور ریا ہے۔ اس کے بغیر سیاسی ملیٹری ناممکن ہے۔

(۴) اس امر کا وسیع پروپیگنڈا کیا جائے کہ ہم سخت اور تند قوم ہیں۔

ان خطرناک مقاصد کے ساتھ بن موشے، اشبان الصیہون اور سب سے بڑی تحریک صیہونیت مصروف کار ہوئیں۔ باوجود رازداری کے یہ تمام مقاصد اہل یورپ کو معلوم ہوتے رہے۔ اس لئے عیسائی علمائنے اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن یہودی سرمایہ ہر جگہ ان کے آڑے آیا۔ اور کسی کی مخالفت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

(۱) ارغون زدئی لومی (IRGUN ZUAI LEWMI) جس کی تعداد ۱۹۴۸ء میں دس ہزار کے قریب تھی۔ اور ارغون کے خفیہ ریڈیو کا نام صوت صیہون تھا۔ اس جماعت کا موجودہ صدر میناہیم بیگن ہے۔

(۲) سٹرن گینگ (STERN GANG) اس کے ارکان تعداد میں ارغون سے کم ہیں۔ مگر منظم بیحد۔ اور دہشت پسند حد سے زیادہ ہیں۔ اس جماعت کا اپنا

اخبار "حماص" ہے۔

(۳) ہگانہ (HAGANA) یہودی ایجنسی کی مجلس عاملہ کا آلہ کار ادارہ ہے اس کی تعداد ۱۹۴۷ء میں ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس کے ارکان آزمودہ کار اور جنگجو سپاہی ہیں۔ ارغون ایک تشدد پسند طاقتور گروہ ہے۔ جو قانونی راہوں کا قائل نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک عرصہ تک ریاست اسرائیل کو تسلیم نہ کیا اور صلح کی شرائط کی برملا خلاف ورزی کو اپنا شعار بنایا۔ حتی کہ ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء کو ارغون اور ہگانہ کے درمیان کھلم کھلا جنگ ہوئی۔ اور ارغون نے شمالی ساحل پر قبضہ کر کے ہگانہ کو شکست فاش دی۔

ریاست اسرائیل کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۸ راگست ۱۹۴۸ء کو ارغون نے ریاست اسرائیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور یروشلم کے فوجی گورنر یادڈرف کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے۔ تو مقصد ان سب جماعتوں کا ایک ہی ہے یعنی اسلام دشمنی اور مسلمان عناد۔

یہود کا قومی وطن

سوال یہ ہے کہ آخر یہود کے قومی وطن کے لئے ارض مقدس کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟ دنیا کی زمین وسیع ہے کتنے ہی علاقے خالی اور غیر آباد ہیں۔ وہ سرسبز اور شاداب بھی ہیں۔ وہاں آبادی کی ضرورت بھی ہے۔ کیوں نہ ان علاقوں کو یہود کے لئے مخصوص کر دیا گیا؟

سائبیریا کی عظیم الشان وسعت آبادی کے لئے چشم براہ ہے۔ وہاں دور دور تک انسانی آبادی نہیں۔ اسلامی تہذیب کے مرکز اور مسلمانوں کی اکثریت

کے علاقے پر انہیں ٹھونسا جا رہا ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ ارض مقدس" اسلامی تاریخ کا ذخیرہ ہے مقدس یادگاروں کا گہوارہ ہے۔ جسے عیسائی دنیا دیکھ نہیں سکتی ـــــ اس لئے کہ عربوں کے پاس تیل کے ذخیرے ہیں۔ اور یورپ کو اس کی ضرورت ہے خواہ اس کا حق ہو یا نہ ہو (یا اس لئے کہ فلسطین سے وحدتِ اسلامیہ کا وجود باقی رہتا ہے۔ اور یورپ کو یہ برداشت نہیں۔ اس لئے کہ یہود کے پاس دولت ہے اور استعمار پسند ملک اُن سے بگاڑ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ چند یہودی سائنسدانوں نے جنگ میں ان کی خدمت کی۔ اور اس کا معاوضہ دوسروں کے گھر سے ادا کرنا ضروری ہے

تقسیم فلسطین

عربوں نے تقسیم فلسطین کی مخالفت کیوں کی؟ اس لئے کہ اس کا رقبہ آبادی کا ذریعۂ آمد اور پیداوار اس قدر قلیل ہے کہ تقسیم سے باقی کچھ نہیں رہتا۔ یعنی رقبہ صرف دس ہزار مربع میل، آبادی صرف بس لاکھ۔ اور اسی مناسبت سے ذرائع آمد بالکل محدود ہیں۔ اس لئے کہ یہودی یہاں کے باشندے نہیں بلکہ سیاسی منصوبہ بندی کی پیداوار ہیں۔ جنگِ عظیم سے پیشتر وہ صرف ۸ فی صدی تھے۔ اگر چند ہزار سال پہلے وہ اس ملک کے حکمران تھے۔ تو اس اعتبار سے عربوں کو سپین اور ریڈ انڈین کو امریکہ اور مسلمانوں کو پورا ہندوستان ملنا چاہیئے۔ چونکہ کچھ عرصہ قبل وہ یہاں کے حکمران تھے۔ اس لئے کہ تقسیم سے اکثریت کا علاقہ عربوں کو نہیں مل رہا جیسا کہ اس نقشہ سے ظاہر ہے (الف) گلیلی کا مشرقی حصہ جس کی کل آبادی ۸۶ ہزار ہے اس میں عرب ۸۰۰۰۰ ہزار اور یہودی صرف ۶۰۰۰ ہزار ہیں۔ (ب) جنوب میں نجب کا علاقہ جس کی کل آبادی ایک لاکھ ۴ ہزار ہے یہاں عرب ۱۰۰۰۰۰ لاکھ اور یہودی صرف ۲۰۰۰ ہزار ہیں۔ (ج) وسط میں ساحلی میدان تل ابیب یافہ جہاں ۴۵ فیصدی

۲ عربیہ میں۔ اگر تقسیم ضروری ہے۔ تو یہودی اقلیت یا دہ کے مطالبے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں۔

عرب لیگ اور اس کے حلیف

چند عنوانات

عرب لیگ

عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری

مفتی اعظم فلسطین

عرب لیجن اور دیگر افواج

شاہ عبداللہ

ان کی شخصیت اور ذہنیت

پاکستان اور اسلامی دنیا

کی بہبود۔

عرب لیگ

علامہ سید جمال الدین افغانی مرحوم کا پبلش کیا ہوا "پان اسلام ازم" کا تصوّر نصف صدی سے دنیائے اسلام کے سامنے موجود تھا۔ اور اتحادِ عرب کے سلسلے کئی سالوں سے کوششیں جاری تھیں۔ آخر ۱۹۴۴ء میں "عرب لیگ" معرضِ وجود میں آئی۔ اور سات عرب ممالک نے اس کی ممبری قبول کر لی یعنی مصر، عراق، لبنان، شام، سعودی عرب، یمن اور شرق اردن۔

عرب لیگ کا اہم مقصد دنیا کے عربوں کے متحدہ سیاسی اور اقتصادی مفادات کی نگرانی کرنا ہے تاکہ ایک متحدہ محاذ قائم کیا جا سکے۔ عرب لیگ کی بنیاد مذہبی رشتوں کے بجائے سیاسی اور ثقافتی اتحاد پر قائم ہے۔ اور صرف عرب ممالک ہی اس کی رکن بن سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہی ہوں۔ اگر عرب ممالک متحد و منظم رہیں۔ اور ان میں کوئی غدار پیدا نہ ہو تو عرب لیگ دنیا میں اس وقت زبردست قوت ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اینگلو امریکن بلاک اور روسی طاقت کے بعد عرب لیگ ہی دنیا کی اہم سیاسی طاقت ہے

اس وقت عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل سید عبدالرحمن عزام پاشا اور فوجی مشیر تقی الدین الصلح ہیں۔ عرب لیگ کی اعلیٰ کمیٹی کے اعلیٰ ناظم حسین خالدی ہیں
جو ممالک عرب لیگ میں شامل ہیں ان کی آبادی حسب ذیل ہے:-

مصر	۱,۷۰,۰۰,۰۰۰	سعودی عرب	۴۵,۰۰,۰۰۰
شام لبنان	۴۰,۰۰,۰۰۰	یمن	۳۵,۰۰,۰۰۰
عراق	۳۵,۰۰,۰۰۰	شرق اردن	۱۲,۰۰,۰۰۰
		کل	۳,۲۸,۰۰,۰۰۰

عرب لیگ میں شامل شدہ ممالک کی آبادی کی تعداد صفحہ ۹۰ پر آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے ان ممالک کی مجموعی تعدادِ آبادی ۳٬۲۸٬۰۰٬۰۰۰ کروڑ ہے

اب عرب لیگ سے باہر اسلامی ممالک کی آبادی ملاحظہ ہو۔

پاکستان	۷٬۲۰٬۰۰٬۰۰۰	ایران	۱٬۵۰٬۰۰٬۰۰۰
ترکی	۱٬۷۵٬۰۰٬۰۰۰	افغانستان	۱٬۲۵٬۰۰٬۰۰۰

کل ۱۱٬۷۰٬۰۰٬۰۰۰ کروڑ

عرب ممالک کی جدوجہد

تحریک صیہونیت کی جارحانہ کوششوں اور یہودیوں کی دہشت انگیزیوں کے پیشِ نظر شاہِ فاروق والی مصر کی دعوت پر جدید قاہرہ میں ۲۸ مئی ۱۹۴۶ کو ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں عرب بادشاہ، شہزادے اور امراء شریک ہوئے، خصوصاً شاہِ فاروق (والی مصر) امیر سعود (ولیعہد سلطان ابن سعود والی حجاز) امیر عبداللہ (والی شرق اردن) امیر عبداللہ (ریجنٹ عراق) الفوزی (صدر لبنان) شکری القوتلی (صدر شام)، سیف الاسلام ابن امام یحییٰ (یمن) شرکائے مجلس تھے۔ اس میں فلسطین سے متعلق داخلی و خارجی مسائل پر غور و خوض کیا گیا۔ اور نہایت اہم فیصلے کئے گئے

۲۹ - ۳۰ مئی کو عرب فرمانرواؤں کے خفیہ اجلاس ہوئے۔

بیت المقدس میں "عرب مجلس اعلیٰ" کے علاوہ ایک جدید "عرب اعلیٰ محاذ" قائم ہوا۔ ان دو جماعتوں کے ساتھ ہی عونی بے عبدالہادی کی "فلسطینی عرب آزاد پارٹی" اور ڈاکٹر حسین خالدی کی "فلسطینی عرب اصلاحی پارٹی" مصروف کار تھیں۔

۲۶ جون ۱۹۴۶ کو عرب لیگ نے دمشق کے قریب اپنا ایک خفیہ اجلاس

طلب کیا۔ اور ایک جدید متحدہ عرب لشکر کی فوری بھرتی کا فیصلہ کیا۔ تمام عرب ممالک سے درخواست کی۔ کہ وہ اس لشکر کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔ تاکہ یہود کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا جاسکے۔

عبدالرحمٰن عزام پاشا:

آپ مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے۔ لیکن انگریز دشمنی کا جذبہ جو بچپن سے آپ کے دل میں تھا۔ بڑھتا گیا۔ اس دوران میں جنگ بلقان چھڑ گئی۔ آپ تعلیم چھوڑ کر ترکی افواج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ ختم ہونے پر تکمیل تعلیم کے لئے دوبارہ لندن چلے گئے۔ —— پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں عربوں نے ترکوں کے خلاف انگریز کا ساتھ دیا۔ مگر اس وقت بھی عبدالرحمٰن عزام پاشا انگریزوں کے دشمن اور ترکوں کے حامی تھے۔

جنگ طرابلس کے موقع پر آپ لندن سے جنیوا، وطن سے مصر، پھر مصر سے طرابلس پہونچے۔ اور شیخ سنوسی کے ساتھ برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ یہ صحرائی زندگی انتہا درجہ کی کٹھن تھی۔ لیکن آپ نے سب کچھ برداشت کیا۔ برطانوی حکام نے باغی قرار دے کر سزائے موت کا حکم صادر کر دیا۔ مگر آپ کے پاؤں میں لغزش نہ آئی۔ طرابلس آزاد ہو گیا۔ مگر اطالوی پھر بھی سخت مخالف رہے۔ اور آپ کو چھ سال کا عرصہ غاروں اور جھاڑیوں میں چھپ کر اور بھیس بدل کر بسر کرنا پڑا۔

۱۹۲۴ء میں مصر آزاد ہوا تو عبدالرحمٰن عزام پاشا کو بھی ندمصر سے سیاسی جیم وپلی کے ساتھ معافی ملی۔ آپ مصر آئے۔ سعد زاغلول پاشا نے آپ کو دونا رستے میں لے لیا۔

آپ نے وفد پارٹی کی حمایت کی۔ مگر پارٹی سے قطع تعلق ہونے پر وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور دوبارہ انتخاب لڑ کر ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے مصری پارلیمان کے ممبر بنے۔ آزاد ممبر ہونے کی حیثیت میں بھی آپ ملک کے ممتاز رہنماؤں کی صف اول میں رہے ہے۔ عبدالرحمٰن عزام پاشا مصر کی طرف سے افغانستان ایران، سعودی عرب اور ترکی میں سفیر کبیر رہے۔ مگر دوسری جنگ عظیم شروع ہوتے ہی واپس بلا لئے گئے، اور وزیر معاشرت وامور مذہبیہ مقرر ہوئے۔ جنگی خطرہ بڑھ جانے پر فوجی بھرتی اور دفاع ملک کی خدمات پر مامور ہوئے۔ یہ کام اُن کے مذاق اور ذوق کے مطابق تھا۔ اس لئے بےحد کامیاب رہے۔

عزام پاشا کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ "عرب لیگ" کا قیام ہے۔ جس کے وہ آج بھی سیکرٹری جنرل ہیں۔ ــــــ جو لوگ عزام پاشا اور عرب لیگ کو انگریز کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ غالباً اُن کے سامنے آپ کی زندگی نہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بچپن سے لے کر اب تک انگریز کا ذاتی دشمن رہا ہو۔ اُس کے متعلق ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ اُن کا آلہ کار بن کر ملک و ملت کے مفاد کے خلاف ہو جائے گا اور ملی غداری کو قبول کرلے گا۔

سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین

فلسطین کی یہ محیر العقول سب سے بڑی شخصیت دنیا کے لئے ایک اعجوبہ رہی ہے آپ فلسطین کے سب سے مقدس شہر بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شہر کے مدرسہ میں حاصل کرکے حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ واپسی پر جامعہ ازہر میں تعلیم کی تکمیل کی۔ فوجی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پہلی جنگ عظیم کی ابتداء میں ملٹری کالج

استنبول میں داخل ہوگئے۔ وہاں سے کمیشن حاصل کیا۔ اور دو سال عثمانی توپخانہ میں کام کرتے رہے۔

برطانوی سازش سے جب عرب ترکوں کے خلاف ہوگئے۔ تو آپ بھی فلسطین واپس آگئے۔ اور ترکوں کے خلاف عربوں کی قیادت کرنے لگے۔ کرنل لارنس کی افواج میں زور شور سے بھرتی کرائی۔ جب ۱۹۱۸ء میں برطانوی افواج بحیثیت فاتح فلسطین میں داخل ہوئیں۔ تو آپ کی آنکھیں کھل گئیں۔ برطانیہ کی دوستی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ آپ نے قومی تحریک کی قیادت کی۔ اور اعلان بالفور کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا۔ دوسری طرف صیہونی تحریک کے خلاف زبردست جدوجہد کا کام آپ کے کندھوں پر تھا۔ اب آپ بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے تھے۔

برطانوی اقتدار سخت ہوگیا۔ گرفتاری سے بچ کر آپ دمشق پہنچ گئے۔ ۱۹۲۱ء میں واپسی کی اجازت ملی۔ آپ کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا۔ تو ان کی جگہ مفتی اعظم کا عہدہ جلیلہ آپ کو سونپ دیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۷ برس کی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں برطانوی کمیشن فلسطین آیا۔ اور اس کی تقسیم فلسطین کی ناپاک تجویز کی آپ نے مخالفت کی۔ گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تو آپ بیروت پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ وطن سے دور رہ کر بھی تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ دوسری جنگ عالمگیر کا آغاز ہوگیا۔ اور آپ کو بیروت بھی چھوڑنا پڑا۔

مفتی اعظم بیروت سے عراق آئے۔ مگر یہاں بھی ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایران چلے گئے۔ یہاں بھی حالات نامساعد ہوگئے۔ تو آپ برلن (جرمنی) پہنچ گئے۔ جرمنی کو جنگ میں شکست ہوئی۔ اور حکومت فرانس نے آپ کو گرفتار کرلیا۔ برطانیہ نے حکومت

فرانس سے آپ کا مطالبہ کیا۔ مگر فرانسیسیوں نے حوالے کرنے سے انکار کر دیا لیکن آپ کو کڑی نگرانی کے ساتھ قید و بند میں رکھا

جون ۱۹۴۶ میں دنیا ورطۂ حیرت میں پڑ گئی۔ جبکہ آپ اچانک قاہرہ پہنچ گئے۔ خود فرانسیسی بھی آپ کے اس فرار سے ششدر رہ گئے۔ قاہرہ میں شاہ فاروق نے آپ کو اپنا مہمان بنایا۔ اور برطانیہ کے مطالبہ پر اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

ستمبر ۱۹۴۸ء میں عرب آزاد حکومت فلسطین غازہ میں قائم ہوئی۔ آپ مجلس آئین ساز کے صدر منتخب ہوئے۔ اور عرصہ کے بعد آزادی کے ساتھ اپنے وطن میں داخل ہوئے۔

عرب لیجن اور دیگر افواج

عرب لیجن سے مراد عرب لشکر ہے۔ یہ شرق اردن کی مشہور آزمودہ کار اور منظم فوجی طاقت ہے۔ عرب لیجن کی ابتداء پیک پاشا نے کی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں گلاب پاشا نے اس کو از سر نو منظم کیا۔

عرب لیجن نے شرق اردن اور سعودی عربیہ کی سرحدات پر امن و امان قائم رکھنے کی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۱ء میں شام اور عراق میں وہ حیرت انگیز جوہر دکھائے۔ کہ دنیا اس فوجی طاقت سے انگشت بدندان رہ گئی۔

ارض مقدس میں عرب لیجن کا ہیڈ کوارٹر بیت المقدس تھا۔

عرب آزاد افواج کے سپہ سالار کمانڈر میجر جنرل نورالدین محمود ہیں۔ اور دوسرے مشہور کمانڈر جن کا نام اکثر اخبارات میں آتا ہے فیض بے القاوقجی ہیں۔ ان دونوں

بیت المقدس کی عرب افواج کے سپہ سالار عبداللہ التلال ہیں۔ اور عراقی افواج کے کمانڈر جنرل اسمٰعیل صفوت پاشا ہیں۔

روزنامہ "الاساس" مصر کے اعلان کے مطابق جہادِ فلسطین کی ابتداء میں ماہ مئی کے دوران میں عرب افواج کی تعداد حسب ذیل تھی۔

شرق اُردن ۲۵ ہزار۔ عراق ۵۰ ہزار۔ شام ولبنان ۱۰ ہزار۔ مصر ۵۰ ہزار اور عرب آزاد افواج ۷ ہزار یعنی کل ۱۴۲۰۰۰۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ مسلمانوں کے لشکر کوئی معمولی اور قلیل مقدار میں نہ تھے۔ اور کردار و حوصلہ کے اعتبار سے بھی ان کی حالت معمولی نہ تھی۔

۲۳ مئی کو یمن سے بھی افواج میدان کارزار میں آگئیں۔ اور سعودیہ افواج کے شانہ بشانہ جہاد میں شریک ہوگئیں

ابتدا میں سعودی عرب سے کوئی باقاعدہ فوج شریک کار نہیں ہوئی تھی اس سے اکثر شکوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ لیکن آخر کار ۸ جون ۱۹۴۸ء کو سعودی عربیہ کی فوجیں بھی میدان جہاد میں شامل ہوگئیں۔

عرب افواج کے مشہور کمانڈر

(۱) فوزی القاوقچی —— آپ شام میں پیدا ہوئے تھے۔ اور پہلی جنگ عظیم میں ترکی افواج میں ایک کامیاب کمانڈر کی حیثیت سے مشہور ہوئے فرانس کے خلاف بغاوت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ یہ آپ کی سیاسی زندگی کا اہم کارنامہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے آپ حجاز مقدس میں سلطان ابن سعود کے فوجی مشیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے عراق کے سٹاف کالج میں کام کیا۔ اور

پھر ۱۹۳۶ء میں فلسطین کے اندر عرب بغاوت کی رہنمائی کی۔ اس جدوجہد کی ناکامی پر آپ عراق چلے گئے۔ اور وہاں سے برلن جا پہنچے۔ اب واپسی پر فوزی القادچی عرب افواج کی قیادت کر رہے ہیں۔ اور خاص شہرت کے مالک ہیں۔

(۲) گلپ پاشا —— آپ اصلاً انگلستانی ہیں لیکن آپ کے لقب "پاشا" سے اکثر لوگوں کو دھوکا لگتا ہے۔ اور وہ آپ کو عرب تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ عربی میں گلپ کا مفہوم تاہی نہیں۔ آپ شرق اُردن کے اعاظم رجال میں سے ہیں آپ نے ۱۹۳۰ء میں شرق اردن کی مشہور و معروف فوج عرب لیجن کی نئے سرے سے تنظیم کی۔ ۱۹۴۲ء میں شام اور عراق میں حیرت انگیز فوجی کارنامے سرانجام دیئے۔ اور اب آپ شرق اردن کی افواج کی قیادت کر رہے ہیں۔

(۳) جنرل عزیز احمد بے —— آپ مصری متحدہ افواج کے کمانڈر کی حیثیت سے ایک خاص شہرت سے نمودار ہوئے ۲۲۔ اگست ۱۹۴۸ء کو آپ گشت کر رہے تھے۔ کہ آپ کے سپاہی نے رات کا مخصوص نشان دریافت کیا۔ صحیح جواب نہ پا کر سپاہی نے غلطی سے آپ کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ آپ کی لاش نہایت اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کر دی گئی۔ اور شاہ فاروق نے مرحوم کو "بے" کا معزز لقب دیا۔

شاہ عبداللہ والی شرق اُردن

آپ مکہ معظمہ کے ایک ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ قسطنطنیہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۰۸ میں حجاز واپس آئے تو آپ کے والد

شریف حسین "شریف مکہ" بن چکے تھے۔ شاہ عبداللہ کچھ عرصہ تک عثمانی پارلیمان میں حجاز کے نائب رہے۔ مگر پھر ترکوں کے خلاف نبرد آزما عربوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ جنگِ عظیم میں اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ جنگ ختم ہو گئی لیکن انگریزوں نے وعدے پورے نہ کئے بمشکل نظام برطانیہ نے عراق کی حکومت آپ کے چھوٹے بھائی امیر فیصل کے سپرد کی۔ اور ۱۹۲۰ء میں شرق اردن کی امارت آپ کو سونپ دی۔ جون ۱۹۴۶ میں برطانوی انتداب ختم ہوا۔ تو آپ امیر سے "شاہ" بن گئے۔

شرق اردن کی خودمختاری حاصل کرنے کے بعد آپ کو ایک اور خیال پیدا ہوا۔ کہ شام، لبنان، فلسطین اور شرق اردن کو متحد کر دیا جائے۔ اور اس تصور کو آپ نے "شام عظمیٰ" کا نام دیا۔ ۱ انہی دنوں میں یہود نے فلسطین میں فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور شاہِ عبداللہ اپنی مشہور فوج یعنی عرب لیجن کو لے کر میدان میں کود پڑے۔ مگر یہ خوش آیند صورت حال زیادہ عرصہ باقی نہ رہ سکی۔ اور شاہِ عبداللہ نے "شام اعظمیٰ" کے غرور تصور کو پیش سامنے رکھ کر آخر فرقہ اندازی ایک بدترین اور مکروہ ترین صورت کھڑی کر دی۔

سلطان ابن سعود اور شاہ عبداللہ کی صلح

شریف حسین (شریف مکہ) اور سلطان ابن سعود کی رقابت سے کون ناواقف ہے۔ دونوں فرمانروا ایک دوسرے سے مدتوں برسرِ پیکار رہے۔

۲۰ جون ۱۹۴۸ کو شاہ عبداللہ والی شرق اردن جو شریف حسین کے بیٹے ہیں۔ سعودی عربیہ کے دار الخلافہ "ریاض" روانہ ہوئے۔ جہاں ان کا مستقریہ استقبال

کے لئے خود سلطان ابن سعود موجود تھے ۔ دونوں بغلگیر ہوئے اور رقت کا ایک عجیب سماں پیدا ہوگیا۔ مہمان عزیز کا استقبال نہایت شاندار اور پرتپاک انداز میں کیا گیا۔ ان ٹولیوں کی سلامی دی گئی۔ اور تمام پرانی عداوتیں ختم ہوگئیں ریاض کے قیام کے دوران میں کتنی ہی خلوت کی ملاقاتیں ہوئیں ۔ افسری مجلسیں بھی ہوئیں ۔ آخر میں دونوں کی طرف سے ایک مشترکہ بیان جاری ہوا۔" تمام نجی اور معاشرتی مسائل پر اور قومی و قوم پسندی کی مصلحتوں پر ہمارے درمیان کامل اتحاد و اتفاق موجود ہے" ۔ دنیا نے کہا کہ یہ وہ مبارک واقعہ ہے ۔ جس کے لئے مدتوں سے آنکھیں ترس رہی تھیں ۔ خدا کی قدرت کہ اس افتاد نے مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن کر دیا ۔ لیکن جلد ہی شاہ عبداللہ کی ہوس اقتدار نے یہ تمام کوششیں بیکار کردیں ۔ ۹ اپریل ۴۹ ۱۹ء کو عمان میں شاہ عبداللہ پر چار اشخاص نے قاتلانہ حملہ کیا ۔ مگر وہ بال بال بچ گئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ شام سے شرق اردن آئے تھے ۔ ان لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی گئی ۔

شاہ عبداللہ کا رویہ

شاہ عبداللہ والی شرق اردن کی قدیم خاندانی روایات کے پیش نظر شروع ہی سے ان کی جانب سے کئی خدشات محسوس ہو رہے تھے ۔ اخبارات میں مفتی اعظم فلسطین اور شاہ عبداللہ کے تعلقات کی کشیدگی پر کئی بار لے دے ہوتی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ بے بنیاد نہ تھا ۔ اتحادی ثالث کاؤنٹ برناڈوٹ کی اُن سے خفیہ اور بار بار کی ملاقاتیں غمازی کر رہی تھیں کہ امریکہ اور برطانیہ کی سازش کیا ہے ۔ عرب صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے شاہ عبداللہ

کو فلسطین کے آزاد عرب علاقوں کا لالچ دیا گیا ———— کاونٹ برناڈوٹ نے مستقل صلح کی جو آخری تجاویز اور اپنی رپورٹ یو۔این او کی ارسال کی۔ اس کے سات نکات میں سے ایک جزو یہ بھی رکھا گیا۔۔ کہ فلسطین کا عرب علاقہ شرق اردن سے ملحق کر کے شاہ عبداللہ کے حوالے کر دیا جائے۔

۷۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو موسیو شرتوک خود ساختہ وزیر خارجہ سلطنت اسرائیل نے ایک بیان میں کہا۔ کہ فلسطین کا عرب حصہ شرق اردن میں شریک ہو جانا چاہیئے اس بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شاہ عبداللہ یہود سے ساز باز رکھتے ہیں۔ ۱۵ ارنومبر کو شرق اردن کے وزیر دفاع فوزی الملکی نے قاہرہ میں بیان دیتے ہوئے کہا۔ کہ شاہ عبداللہ عرب لیگ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں"۔ مگر بیس دن بعد ۴۔ دسمبر کو عرب فلسطین اور شرق اردن کے الحاق کا تفرقہ انگیز نعرہ بلند کر دیا۔

عرب فلسطین کا شرق اردن سے الحاق

۱۳ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو مجلس اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے ۱۸ کے مقابلہ میں ۲۷ ووٹوں سے برطانیہ کی یہ تجویز مسترد کر دی کہ نجب کا علاقہ عربوں کو اور جانب گلیلی کا علاقہ یہود کو دے دیا جائے۔ اور فلسطین کے عرب علاقہ کا نظم ونسق شاہ عبداللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

سیکورٹی کونسل میں ناکامی کے دوسرے دن جریکو میں "فلسطین عرب کانگریس" کے نام سے ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اور اس کے متعلق کہا گیا۔ کہ اس میں فلسطین کے ان مہاجرین نے شرکت کی ہے جو شرق اردن خصوصاً عمان میں پناہ گزیں ہیں۔ جریکو کانفرنس نے عرب فلسطین کا "تاج شاہی" شاہ عبداللہ کو پیش کیا۔ اور

اس نے یہ کہہ کر قبول کر لیا کہ وہ عرب فلسطین کو شرقِ اردن سے ملحق کر کے "سلطنت متحدہ ہاشمیہ" قائم کرنا چاہتے ہیں ۱۷ دسمبر کو شرق اردن کے کابینہ کا اجلاس شاہِ عبداللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اور جریکو کانفرنس کا فیصلہ تسلیم کر کے پارلیمنٹ کی تصدیق کے لئے دیا گیا۔ ۱۳ دسمبر کو شرق اردن کی پارلیمنٹ نے بھی اس فیصلہ پر مُہر تصدیق ثبت کر دی۔

جب مصری اخبارات نے شاہِ عبداللہ کے رویہ کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ تو شاہِ عبداللہ نے اپنے وزیر مختار کو مصر سے بطور احتجاج واپس بلا لیا۔ ۹ دسمبر کو غازہ کی متحدہ عرب حکومت فلسطین نے قاہرہ سے ایک اعلان جاری کر کے جریکو کانفرنس کی مذمت کی۔ اور اسے تقسیم فلسطین قبول کرنے کے مترادف قرار دیا۔ ۱۰ دسمبر کو احمد حلمی پاشا اور صدر اعظم متحدہ عرب حکومت نے غازہ سے اعلان کیا کہ فلسطین کی قسمت کا فیصلہ عرب لیگ ہی کر سکتی ہے کسی ملک کو یہ حق حاصل نہیں کہ جداگانہ کوئی فیصلہ کرے۔

۱۹۴۹ء کے جنوری اور وسط فروری تک شاہِ عبداللہ نے حکومتِ عراق سے ساز باز کی بیحد کوشش کی کہ شام عظمیٰ کی سکیم کامیاب بنا سکیں۔ آخر کار ۱۷ فروری کو انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ حکومتِ عراق کی باقاعدہ منظوری کے بعد فلسطین میں جنگی مہم ختم کر دیں گے۔ اور ضلع سماریہ بھی (جہاں عراقی قبضہ ہے) شرقِ اردن میں شامل ہو جائے گا۔ ۱۱ دسمبر کو شاہِ فاروق نے عرب ممالک کے تمام مصری سفرا کو عابدین محل قاہرہ میں بلا لیا۔ اور مسئلہ فلسطین پر ایک مفصل بیان دیا۔ دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کے بعد فرمایا کہ جریکو کانفرنس

کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ عرب فلسطین کو شرق اردن سے الحاق کا فیصلہ کرے کانفرنس میں صرف عمان کے پناہ گزین فلسطینی عربوں نے شرکت کی۔ اور وہ سب کے نمائندہ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کو مجھے اس فیصلے سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ تاہم مجھے امید ہے کہ بالآخر عرب ممالک میں اتحاد پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا
۱۴۔ دسمبر کو باقاعدہ شاہ فاروق نے شاہ عبداللہ کو جریکو کانفرنس کے فیصلے کے خلاف پیغام بھیجا۔ اور اس میں کہا کہ اس فیصلہ پر عمل نہیں ہو سکتا ــــ جمہوریہ شام کے صدر نے بھی اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور شاہ عبداللہ کو لکھا کہ یہ اقوام متحدہ عرب کے مفاد کے خلاف ہے ــــ لبنان اور عراق کی حکومتوں نے مذمت کے بیانات جاری کئے۔ ۱۲۔ تاریخ کو مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی نے اس فیصلہ کی مذمت کی اور ۱۷۔ دسمبر کو چودھری خلیق الزمان صدر اعلیٰ پاکستان مسلم لیگ نے اپنے بیان میں شاہ عبداللہ کے رویہ کو معقولیت کے منافی قرار دیا۔

۱۷۔ دسمبر کو مفتی اعظم کی صدارت میں متحدہ عرب حکومت فلسطین کا اجلاس ہوا۔ اور قرار پایا۔ کہ عبداللہ کے رویہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حکومت غانرہ اپنا کام جاری رکھے۔ نیز فیصلہ ہوا کہ ارض مقدس میں داخلہ پر پاسپورٹ سسٹم نافذ کر دیا جائے۔ اسی دن یعنی ۲۰ دسمبر کو عمان سے شاہ عبداللہ نے اعلان کیا۔ کہ سید امین الحسینی کو فلسطین کے مفتی اعظم کے عہدہ سے معزول کیا جاتا ہے۔ اور ان کی جگہ شیخ حسین مدنی بدالله سالق قاضی القضاۃ فلسطین کو مفتی اعظم کے عہدہ پر مامور کیا جاتا ہے ــــ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۹- مارچ ۱۹۴۹ء کو ایک بار پھر شرق اردن کے وزیر اعظم نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ فلسطین کے عوام عرب حصہ کو شرق اردن میں شامل کرنا چاہتے ہیں ــــــ ۲۱- اپریل کو "ستارہ" نے اطلاع دی کہ فلسطین کے عرب علاقہ میں شاہ عبداللہ آہستہ آہستہ ہنگامی قوانین کے ذریعے حکومت قائم کر رہے ہیں۔ اور شرق اردن میں آئے ہوئے عرب مہاجرین ان کی حمایت کر رہے ہیں ــــــ مسلمان ممالک نے جہادِ فلسطین کے اندر مختلف طریقوں سے امداد و شرکت کی۔ کچھ تو وہ ممالک ہیں جو اخلاقی اور مالی امداد میں شریک ہوئے۔ اور بعض وہ ہیں۔ جنھوں نے ارض مقدس کی حفاظت کے لئے اپنا خون پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مصر و عراق اور شام و لبنان، سعودی عرب اور شرق اردن اسی قبیل سے ہیں۔ البتہ موخرالذکر کا منشا ارضِ مقدس کے تحفظ کے ساتھ اپنے لئے نیا خطہ اور مزید علاقہ حاصل کرنا بھی تھا۔ ذیل میں ہم مالی امداد کے کچھ اعداد و شمار پیش کرتے ہیں۔

پاکستانی اور اسلامی دنیا کی امداد

۱۷رمئی ۱۹۴۸ء کو شاہی پارلیمنٹ نے ایک کروڑ پونڈ جہاد فلسطین کے لئے منظور کیا۔ اسی تاریخ کو مصری پارلیمنٹ نے ایک کروڑ مصری پونڈ جہاد فلسطین کے لئے وقف کر دیا۔ اور جہادِ فلسطین میں شرکت کا باقاعدہ فیصلہ کر لیا۔

۲۴مئی کو یوم دعا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی اپیل پر منایا گیا مختلف مقامات پر جلسے بھی ہوئے۔ ہمدردی کی قرار دادیں منظور ہوئیں۔

۲۷مئی کو پاکستان پارلیمنٹ (قانون ساز اسمبلی) نے عربوں سے ہمدردی

اور ان کی امداد کے لئے ایک مفصل اور طویل قرارداد منظور کی۔

۲۵۔ جون سے ۲۔ جولائی ۱۹۴۸ء تک سارے پاکستان میں ہفتہ فلسطین منایا گیا۔ اس ہفتہ کے دوران میں مالی امداد اور دوسری اشیا کی فراہمی کی زبردست مہم جاری کی گئی۔ وزیر اعظم مغربی پنجاب نے سیالکوٹ شہر کی جامع مسجد میں اس ہفتہ کا افتتاح کیا۔ اور ہفتہ کو کامیاب بنانے کے لئے دوسرے وزراء ہمیت ۲۵ مختلف جلسوں میں شرکت اور تقاریر کا پروگرام بنایا۔ دوسرے صوبوں کی کوشش کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے ——— ۲۲ جون کو وزیر اعظم پاکستان کی زیر صدارت امداد فلسطین کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو پاکستان کی طرف سے عرب لیڈروں کے ساتھ ملاقات اور معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی واپسی پر فیصلہ ہوا کہ فلسطین کو تربیت یافتہ رضاکار دستے بھیجے جائیں ——— حبیب بنک لمیٹڈ میں باقاعدہ فلسطین فنڈ کھولا گیا۔ اور ہر مسلمان سے درخواست کی گئی کہ اس فنڈ کے اندر بنک کی کسی شاخ میں روپیہ جمع کرائے۔ اخبارات و رسائل نے اشتہارات اور اپیلوں کے لئے اپنے صفحات وقف کر دیئے۔ ۸ رجون ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے عرب مجاہدین و شہداء کے پسماندگان کے لئے شاہ عبداللہ اور شاہ فاروق کو ایک ایک ہزار پونڈ ارسال کئے اور ہر ممکن امداد و تعاون کا یقین دلایا۔ اس کے جواب میں دونوں نے دلی شکریہ کے خطوط ارسال کئے

جولائی میں نظام حیدرآباد دکن کے کئی لاکھ کا گرانقدر عطیہ امداد فلسطین کے لئے بھیجا جس پر انڈین ڈومینین کے سیاسی حلقوں میں اضطراب پھیل گیا۔

پاکستان نے مالی امداد کے علاوہ سیکورٹی کونسل میں عربوں کی قانونی امداد کی۔ اس کے لیئے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں خاص طور پر ممالک عربیہ کے بادشاہوں کی جانب سے اور مفتی اعظم فلسطین کی طرف سے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کو کراچی میں شکریہ کے خطوط وصول ہوئے۔ جن میں پاکستان کی امداد و اعانت کو بہت سراہا گیا۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو حکومت پاکستان نے سرکاری طور پر اعلان کیا۔ کہ پاکستان کی فلسطین امدادی مرکزی کمیٹی نے عرب اعلیٰ کمیٹی کو دو لاکھ ستر ہزار سے زیادہ روپے ارسال کئے ہیں

۹ر جنوری ۱۹۴۹ء کو عراقی حکومت نے فلسطین کے صحت عامہ کے اداروں کو ۷۵۰۰ لیرا عطا کیا ہے۔ اس سے قبل مسائل فلسطین پر عراقی حکومت ۱۷۵۰۲۸۰۳۴۱ پونڈ خرچ کر چکی ہے

۱۱ر فروری ۱۹۴۹ء کو وزارت خارجہ پاکستان نے اعلان کیا۔ کہ پاکستان نے فلسطینی ریلیف کمیٹی کے فنڈ میں ایک لاکھ روپے کا چندہ دیا ہے۔

حکومت شام نے ۵ لاکھ پونڈ عرب مہاجرین کی امداد کے لئے امدادی کمیٹی کو دیا۔

بین الاقوامی ریڈ کراس نے ۲۰ لاکھ ڈالر عرب مہاجرین کے امدادی کاموں کے لئے خرچ کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۴ر فروری کو موتمر عالم اسلامی کراچی کے اجلاس میں فلسطین قرارداد منظور کی گئی جس میں صیہونیت کے خلاف منصوبہ بندی اور عربوں کی امداد، بحالی اور آبادکاری پر زور دیا گیا۔ ۲۰ر فروری ۱۹۴۹ء کو ۵ ہزار پونڈ کی رقم خطیر انڈونیشیا کے مسلمانوں نے فلسطینی پناہ گزینوں کی امداد کے لئے ارسال کی۔

۲۴؍ مارچ کو پاکستان کی فلسطین مرکزی امدادی کمیٹی نے ایک اور امدادی قسط تین لاکھ چوبیس ہزار روپے (۳۲۴ر۰۰۰) کی ارسال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

فلسطین کی حکومتیں اور ان کے علاقے

(۱۹۴۸ء میں)

چند عنوانات

شوریہ حکومت

(غزہ)

ریاست اسرائیل

(تل ابیب)

مستقر برطانوی ہائی کمشنر

(بیت المقدس)

سلطنت متحدہ ہاشمیہ

(عمان)

رقبہ کے لحاظ سے فلسطین کا علاقہ اس قدر مختصر ہے کہ اُسے ایک ملک کہنا بھی مشکل ہے۔ فلسطین کی آبادی ضلع لاہور کے برابر ہے۔ یعنی ۱۰۶۱۲۷۷ مسلمان اور ۲۰۲۸۷۵ یہودی اور ۱۳۵۵۴۷ عیسائی ۱۴۰۵۶ دیگر اقوام، لیکن رقبہ کے اعتبار سے فلسطین کا علاقہ ضلع لاہور سے بھی کم ہے یعنی ۱۴۲۹ مربع میل۔ اس مقدس سرزمین نے اس قدر انقلاب دیکھے ہیں کہ شاید ہی دنیا کا کوئی حصہ ان سے دوچار ہوا ہو گا۔ کتنے ہی بادشاہوں اور شہنشاہوں کا عروج وزوال اور کتنی ہی قوموں کا اقبال وادبار اس سرزمین پاک میں ہوا۔

کس قدر حیرت ناک ہے یہ امر کہ ایک سال ۱۹۴۸ میں چھوٹے سے ملک کے چار دارالخلافے قرار پائے۔ جن کی مختصر سی داستان ان سطور میں پیش کی جا رہی ہے۔

متحدہ حکومتِ فلسطین

غازہ۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۸ء کو عرب حکومت قائم ہوئی۔ اور غزہ اس کا دارالخلافہ قرار پایا۔ غزہ بحیرہ روم کے قریب بیت المقدس کے جنوب مشرق میں ایک قدیم آبادی ہے۔ یہ شہر مصر سے دمشق کو جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ اور مصر سے آتے ہوئے پہلا شہر ہے۔ اس قدیم بستی نے بہت سے معرکے اور معرکہ آرا دیکھے۔ تاریخ میں کئی بار یہ شہر میدانِ کارزار کا اہم نقطہ بنا۔ سکندر اعظم نے جب

یہ شہر فتح کیا۔ تو اس وقت یہ فلسطین و شام کا بہت بڑا شہر تصور کیا جاتا تھا۔ صلیبی جنگوں اور اس کے بعد ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے دوران میں بھی اس شہر پر کئی سخت معرکے ہوئے۔ بجز چند گرجوں اور مسجدوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر عمارت تاخت و تاراج سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اس اعتبار سے جنگ عظیم کے بعد یہ شہر دوبارہ آباد ہوا ہے۔

قدیم ایام میں کھجور، انجیر، زیتون اور دیگر اشیاء کی تجارت کے لئے یہ شہر ایک اہم مرکزی حیثیت کا مالک تھا۔ اکثر کاروان یہیں سے گزرتے تھے۔ گو اب وہ قافلے اور کارواں نہیں رہے۔ مگر گندم، جو اور دوسرے سامانِ خوراک کی بہت بڑی منڈی ہے۔ غزہ کی اہم مصنوعات میں پارچہ بافی اور ظروف سازی ہیں۔ صدیوں سے غزہ کے کاریگر بدوؤں کو خیمہ اور فرش کا ساز و سامان مہیا کرتے ہیں۔ غزہ میں ہاشم بن عبدالمناف کی قبر بیان کی جاتی ہے۔ اور امام محمد بن ادریس شافعی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ قبل از اسلام حضرت عمرؓ غزہ میں تجارت کو آتے جاتے تھے۔ یہاں سے انہوں نے بہت سی دولت کمائی۔ غزہ کی بندرگاہ کو تیدا یا تیدا کہتے ہیں۔

غزہ کا قریب ترین قابلِ ذکر مقام مجدل ہے۔ عربوں کا یہ شہر بھی پارچہ بافی کا مرکز ہے۔ یہاں سوتی اور ریشمی کپڑا بڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ کرگھے نے ابھی تک گیس یا بجلی سے چلنے والی مشینوں کے لئے جگہ خالی نہیں کی۔ غزہ حیفہ سے خان یونس سے ہوتی ہوئی قاہرہ کو جانے والی ریلوے لائن کا فلسطین میں آخری اہم ریلوے اسٹیشن ہے۔

عرب حکومت عرب لیگ کی سیاسی کمیٹی نے جو اس وقت تمام عرب ممالک کی سب سے بڑی اور اہم [illegible] ۹- جولائی ۱۹۴۸ء کو سفارش کی فلسطین میں متحدہ عرب حکومت قائم کر دی جائے۔ تمام عرب ممالک نے اتفاق کیا مگر شاہ عبداللہ والی شرق اردن نے مخالفت کی۔ اسی کی وجہ سے یہ معاملہ کچھ عرصہ کے لئے معرض تاخیر میں پڑ گیا۔

عارضی متحدہ حکومت کی صدارت عظمیٰ کے لئے احمد حلمی پاشا کا نام تجویز ہوا۔ عرب اعلیٰ کمیٹی کے سیکرٹری جنرل حسین خالدی کو نگران اعلیٰ قرار دیا گیا۔ اور ۲۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بالآخر عرب لیگ کی مجلس اعلیٰ (عرب ہائر کمیٹی) نے بڑے غور و فکر کے بعد متحدہ عرب حکومت فلسطین کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کا صدر مقام غازہ (غزہ) قرار پایا۔ آئندہ حکومت کے وزراء یہ ہیں:-

وزیر اعظم احمد حلمی پاشا	وزیر خارجہ سید جمال الحسینی
وزیر خزانہ میکائیل الکاریس	وزیر انصاف سید علی الحسینی
وزیر صحت و تعلیم۔ ڈاکٹر حسین خالدی	وزیر قومی معیشت۔ ڈاکٹر فوزی [illegible]

مفتی اعظم سید امین الحسینی کو مجلس دستور ساز کا صدر منتخب کیا گیا۔ [illegible] آپ بارہ سالہ جلا وطنی کے بعد پہلی مرتبہ ۲۸ ستمبر کو غزہ کے لئے فلسطین روانہ ہوئے ——— شاہ عبداللہ نے ۱۷ ستمبر کو ایک عام بیان کے ذریعہ اس متفقہ فیصلہ کی مخالفت کی۔ وزیر خارجہ سید جمال الحسینی افہام و تفہیم کے لئے شرق اردن گئے تو شاہ عبداللہ نے بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی [illegible]

۱۹۳۲ء میں نوآباد کاروں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی (۴۵۰۰۰)
۱۹۴۱ء میں یہ تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار ہو گئی۔ (۱۲۵۰۰۰)
شہر کا سب سے اہم کاروباری مرکز ایلن بائی سٹریٹ ہے۔ اور تفریح کا بہترین مقام ساحل سمندر۔ شہر کے لوگ شام کو یہاں آکر تفریح کرتے ہیں اور تیراکی کرتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ قہوہ خانے، ہوٹل، ریسٹورنٹ، اور کافی ہاؤس ہیں۔ جہاں دوپہر ڈھلنے پر خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔

تل ابیب بالکل جدید قسم کا شہر ہے۔ عبرانی ادب اور ادبیات کا مرکز ہے۔ ۱۹۴۱ء میں یہاں ۸۰ پریس تھے ۱۲ رسالے اور اخبار یہاں سے نکلتے تھے۔ شہر میں چھ سینما گھر ہیں۔ مختصر سا چڑیا گھر بھی ہے۔ مستقل عجائب گھر کے علاوہ "فلسطین کے صناعوں کی انجمن" نے ایک عام نمائش کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ جہاں عوام روزانہ بغیر کسی ٹکٹ کے ملکی خصوصاً یہودی مصنوعات کا مطالعہ کر سکتے ہیں تعلیمی اعتبار سے بھی تل ابیب ایک اعلےٰ درجہ کا متمدن شہر ہے۔ جس میں ۱۲۰ تعلیمی ادارے ہیں۔

حکومت اسرائیل کا اعلان ۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانوی انتداب کی مدت ختم ہونے سے آٹھ گھنٹے پیشتر ہی "حکومت اسرائیل" کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اور تل ابیب اس کا دارالخلافہ قرار پایا۔ نام نہاد سلطنت اسرائیل کا وزیر اعظم داؤد بن گورین قرار پایا (DAVID BINQURIAN) اس کی عمر اس وقت ۶۲ سال ہے پیدائشی اعتبار سے ہالینڈ کا باشندہ ہے۔ ۱۹۰۵ء میں فلسطین آکر اس نے محنت مزدوری شروع کی تھی۔

(۲) وزیر خارجہ اور وزیر دفاع موشے شرتوک (MUSHE SHERTOK) ہے
یہ ۴۵ سالہ بوڑھا ہے۔ پیدائش روس میں ہوئی۔ اس سے قبل یہ یہود ایجنسی کی سیاسی
کمیٹی کا سیکرٹری تھا۔

(۳) وزیر خزانہ کپلان (E. KAPLAN) کپلان اس سے پیشتر بھی یہودی ایجنسی
کا خزانچی ہی تھا۔

(۴) وزیر رسل و رسائل ڈیوڈ ریم (DOVAD REMEI) (۵) وزیر صنعت و تجارت
الیف برنسٹن ہے (F. BERNSTEIN) (۶) وزیر داخلہ ایل گرن بام
(L. GRUNBAUM) (۷) وزیر نوآبادکاری ایم شاپیرو (M. SHAPIRO)
(۸) وزیر مفاد عامہ ایم بنٹر (M. BENTER) (۹) وزیر زراعت مسٹر
اے اسلنگ (A Zisling) وزیر پولیس بی شتریت (B.Shi[redacted]t)
ہے۔ ان دس وزرا کے علاوہ چار وزیر اور بھی ہیں۔ جن میں سے دو بغیر
کسی محکمہ کے ہیں۔ کرنل موشے دیان (CORO.NAL MOSHE DAYEN)
یہودی افواج کا کمانڈر ہے۔ جو ایک آنکھ سے کانا ہے۔

۱۷ تاریخ کو "اسرائیلی ریاست" کی کونسل کا صدر اعلیٰ ڈاکٹر ویزمن
(WAIZ MANN) کو چنا گیا۔ ویزمین ایک مشہور سائنس دان ہے اس
نے جنگ عالمگیر اول گزشتہ جنگ عظیم میں اپنی ایجادات کے ذریعے اتحادیوں
کی امداد کی۔ جس کے صلہ میں آج اسرائیل کو یہ سب کچھ مل رہا ہے

اسرائیل کی آئینی حیثیت

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو انس تام نہاد ریاست کے اعلان کے مطابق دو مملکت بن گئیں

سکھے کہ ولایات متحدہ امریکہ نے اس کی آئینی حیثیت کو تسلیم کر لیا ۔ ۱۷ مئی کو سویڈن اور نیوزی لینڈ نے بھی نو نائیدہ ریاست اسرائیل کو مان لیا ۔ اسی تاریخ کو سویٹ یونین روس نے بھی مفروضہ یہودی حکومت کو تسلیم کر لیا ۔ ۱۹ مئی کو زیکوسلواکیہ نے مان لیا ۔ اسی دن فرانس نے تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی ۔

۔ مئی کو مشہور مستشرق سر رانلڈ سٹورس (RONOLD STORRS) سابق گورنر یروشلم نے اپنے ایک طویل بیان میں کہا " امریکہ کے صدارتی انتخاب نے مسٹر ٹرومین کو اس نام نہاد حکومت کو تسلیم کر لینے پر ابھارا ہے ۔ اور کوئی حکومت محض اعلان کر دینے سے قائم نہیں ہو جاتی ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے اور کسی غیر آئینی حکومت کو تسلیم کر لینا ان حقائق کو نہیں بدل سکتا ہے " (سٹارس) اسی قسم کے خیالات کا اظہار نقراشی پاشا وزیر اعظم مصر نے کیا ۔

۲۰ مئی کو پولینڈ نے اور اس کے بعد یوگوسلیویا اور جنوبی افریقہ کی حکومت نے تسلیم کر لیا ۔ موخر الذکر کی جانب سے بعد میں تردید شائع کر دی گئی ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء کو کینیڈا نے اور ۲۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو اٹلی کی وزارت خارجہ نے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا ۔

۲۹ جنوری ۱۹۴۹ء ناروے ، سویڈن ، ڈنمارک ، اور آئس لینڈ کی حمایت اور پاکستان و ہندوستان اور لنکا کی مخالفت کے باوجود حکومت برطانیہ نے ریاست اسرائیل کی عملی حیثیت کو مان لیا ۔ اسی تاریخ کو آسٹریلیا ۔ ولندیزی حکومت اور بلجیم نے بھی تسلیم کر لیا ۔

۱۳ فروری ۱۹۴۹ء کو کولمبیا اور ڈنمارک نے اور ۱۸ فروری کو ہالینڈ نے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہودی سفارتخانے امریکہ اور روس میں ستمبر ۱۹۴۸ء میں ہی قائم ہو چکے تھے۔ چنانچہ روس میں سفیر مسز گولڈا میئرسن نامی خاتون ہیں۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو سر محمد ظفر اللہ وزیر خارجہ پاکستان نے برطانوی اقدام پر شدید نکتہ چینی کی اور اسے غیر آئینی قرار دیا۔ دوسری طرف اسرائیلی نمائندہ نے نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہ اقدامات عرب ممالک پر ضرب کاری ثابت ہوں گے۔ دیگر ممالک کے اخبارات نے برطانیہ کی دولت مشترکہ کے اس رویہ کو امریکہ کے مقابلہ میں شکست اور برطانوی حکمت عملی کی ناکامی قرار دیا۔

ادھر یہ صورت حال تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی قدیم اور طاقتور حکومت ترکی نے ۔ ۲۸ مارچ کو اور ۱۸ اپریل کو البانیہ نے بھی مان لیا۔ اس طرح اس وقت تک دنیا کی چھوٹی بڑی بتیس ۳۲ حکومتیں اسے تسلیم کر چکی ہیں۔

انتخابات اور دیگر کوائف

۱۷ اگست ۱۹۴۸ء کو یعنی قیام حکومت کے تین ماہ بعد ہی اسرائیل نے اپنا سکہ جاری کر دیا۔ گو بین الاقوامی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ مگر یہ اقدام بہر حال خود اعتمادی کا ضامن ہے ـــــ جب سلطنت اسرائیل کی مالی حالت مخدوش ہو گئی۔ تو پچاس ہزار پونڈ سالانہ کی آمد پر ۵ فیصدی ٹیکس نافذ کر دیا ـــــ ۱۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو ۱۳۔ اور ۱۴ لاکھ کے دس سالہ قرضے جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔

سلطنت اسرائیل کے عام انتخابات ۲۵ر جنوری ۱۹۴۹ کو شروع ہوئے ان انتخابات کے اندر (۱) داؤد بن گوریان کی متحدہ پارٹی "ماپائی" (۲) مناہم بیگن کی دہشت پسند جماعت "ارگون زوی لیومی" (۳) متحدہ مذہبی جماعت نے حصہ لیا کل نشستیں ۱۲۰ تھیں۔ مگر امیدوار ۱۲۸۱ تھے۔ جنگی حالات کی وجہ سے ۲۰ ہزار ووٹر حصہ نہ لے سکے۔ اور بعض لوگوں نے اپنے حقوق شہریت قربان کرکے بھی ووٹ ڈالے۔ چونکہ امریکی مغن نے اعلان کر دیا تھا کہ کسی امریکی یہودی نے ووٹ ڈالا تو وہ امریکی حق شہریت کھو بیٹھے گا ــــــ ۱۴ر فروری ۱۹۴۹ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس بیت المقدس کے اندر یہودی ایجنسی کی عمارت میں ہوا یہ پارلیمنٹ دو ہزار سالہ تاریخ کے بعد وجود میں آئی ہے اس کا افتتاح صدر خیم وائیزمان نے کیا۔

برطانوی ہائی کمشنر کا مستقر

(بیت المقدس) بیت المقدس کے ابتدائی حالات شروع کتاب میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم اس کے تاریخی اور سیاسی حالات پر تبصرہ کریں گے

جدید شہر۔ یہودی اس حصہ میں پوری آبادی کا ۹۰ فی صدی ہیں۔ یہ بالکل مغربی طرز پر آباد ہے۔ جیت لیھودا اس کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔ اسی سڑک پر یہودی ایجنسی کے دفاتر ہیں "ٹریٹی" بھی شہر کے اس حصہ میں قیام پذیر تھا۔

جدید شہر میں گو تاریخی مقام کوئی نہیں۔ تاہم ہوٹل، قہوہ خانے، ریسٹوران سینما، بینک، اور دوسری ہر قسم کی دوکانیں موجود ہیں۔ کرہ زیتون سے شہر کے اس جدید حصہ کا نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ جدید حصہ میں شہر کی

کالج اور دوسری چھوٹی بڑی تعلیمی درسگاہیں ہیں۔ جن میں صیہونی زبان عبرانی (HEBREW) کی تعلیم دی جاتی ہے۔ صیہونیہ یونیورسٹی مونٹ سکوپس (SCOPUS) پر واقع ہے۔ اس یونیورسٹی کا سنگ بنیاد جنرل ایلن بائی نے ۱۹۱۸ء میں رکھا۔ ۱۹۲۴ء میں پروفیسر آئن سٹائن کا پہلا لیکچر ہوا۔ اور دوسرے سال سے باقاعدہ کام شروع ہوگیا۔ ۱۹۴۰ میں اس کے اندر بارہ سو طالب العلم اور ایک سو تیس اساتذہ تھے شہر کے اس حصہ میں یہود کی وہ لائبریری بھی ہے۔ جس میں کم وبیش چار لاکھ کتب بیان کی جاتی ہیں۔ جدید شہر میں صیہونی یونیورسٹی کے قریب ہی محکمہ آثار قدیمہ کا عجائب گھر ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہسپتال، سکول آف نرسنگ اور سکول آف میڈیکل ریسرچ وغیرہ درسگاہ ہیں مشرق قریب بیت دانا سکول ہے ——— جدید شہر کی ملحقہ بستیوں میں امادیہ، بیت حکیما تالپیا کتد، یونانی نو آبادی۔ تلبیتھ کوارٹرز، جرمن نو آبادی اور کترا مون کے باغات ہیں۔ ان تمام ملحقہ بستیوں کو شہر سے ملانے کے لئے باقاعدہ موٹریں بسیں آتی جاتی ہیں۔ سڑکیں عمدہ اور خوشنما ہیں۔

قدیم شہر: بیت المقدس کا قدیم شہر اپنی قدامت کے اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا مشینری اور جدید تہذیب وتمدن کی یہاں ہوا تک نہیں پہنچی۔ قدیم شہر کے بازار اور گلیوں میں پہنچکر ایک سیاح یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ آج سے ایک ہزار سال قبل کے دور سے گزر رہا ہے۔ اونٹ اپنے کجاوے اور گدھے اپنے پالان اٹھائے جابجا گلی کوچے میں

دوڑتے اور رینگتے ملتے ہیں۔ سبزی مارکیٹ اور غلہ منڈی کے بعد اگر کوئی کاروبار قابلِ ذکر ہے تو وہ سرخ چمڑہ کے جوتوں کا ہے۔ یہاں کی دوسری مشہور صنعت کوزہ سازی اور زیور سازی ہے۔

قدیم شہر کی فصیل ایک غیر متوازی کون کی صورت میں ہے۔ جو عام طور پر ۳۸ فٹ اونچی ہے۔ اس میں کل ۳۴ گنبد اور ۸ دروازے ہیں۔ دیوار کی لمبائی ۲ میل کے قریب ہے۔ یہ تاریخی عمارات سے بھرا پڑا ہے۔ اور سیاحوں کے لئے بے حد کشش کا موجب ہے۔ مسلم، عیسائی اور یہودی ناظرین یکساں طور پر اس شہر میں دلچسپی اور مذہبی عقیدت کے ساتھ آتے ہیں۔ پہلے ہم عیسائی عمارات کو لیتے ہیں۔

عیسوی عمارات۔ بیت المقدس میں گرجوں کی اس قدر بہتات ہے کہ انگریزی میں شہر کو گرجوں کا شہر ہی کہتے ہیں۔ یہاں تقریباً ہر ملک اور ہر قوم کا اپنا گرجا ہے۔ عیسائیوں کا مشہور گرجا ہولی سپلکر (کنیسۃ القیامہ) بھی اسی جگہ ہے۔ یہاں عیسائی دنیا ہر سال حج کو آتی ہے۔ اس گرجا میں مسیح ناصری کی مفروضہ قبر ہے۔ اسی جگہ صلیب کا مقام ہے۔ اور اُس عدالت کی یادگار بھی بنائی ہوئی ہے جس نے آپ کو مصلوب کئے جانے کا فیصلہ دیا تھا۔ چوتھی صدی میں ملکہ ہلینا نے اس کی تعمیر کرائی۔ اس مقبرہ سے دوسرے درجہ پر مقبرہ مریم ہے۔

یہودی مقامات: عبرانی یونیورسٹی اور اس کے ماتحت تعلیمی اور فنی ادارے جن کا ذکر اوپر ہم کر چکے ہیں۔ جدید شہر میں واقع ہیں۔ یہیں دو یہودی عجائب گھر اور آثار قدیمہ کا ہے۔ فصیل کے باہر جدید شہر اور اس کی تمام عمارات جدید

بعد کی چیزیں ہیں۔ انہیں کوئی تاریخی اور مذہبی حیثیت حاصل نہیں۔ قدیم شہر میں یہودیوں کے دو ایک معبد ہیں۔ اور سب سے مشہور ان کا تاریخی مقام "المبکی" یعنی دیوار گریہ ہے۔ جسے انگریزی میں (WAILING WALL) کہتے ہیں۔ یہ دراصل مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار کے بیرونی حصہ کا نام ہے۔ ماہ اگست میں یہودی دور دور سے آ کر جمع کرتے ہیں۔ اور یہاں روتے ہیں۔ اگر آنسو نہ آئیں تو رونے کی صورت بناتے ہیں۔ اور دیکھنے والوں کو خواہ مخواہ ہنسی آتی ہے۔ اسی لئے پچھلے دنوں یہاں یہ بورڈ آویزاں تھا "یہاں کوئی نہ ہنسے"۔ بیت اللحم کا پھاٹک، باب دمشق، افرائیم کا دروازہ، ہیرلس کا قلعہ۔ اناس کا محل۔ پیلاطوس کا محل، یہاں کی دوسری عام تاریخی یادگاریں ہیں۔ اگر ہم باب حیفہ سے قدیم شہر میں داخل ہوں۔ تو شاہراہ حیفہ کے دائیں طرف مینارہ داؤد ہے

اسلامی آثار: بیت المقدس میں اسلامی آثار بکثرت موجود ہیں۔ ہم دوسری مذہبی اور تاریخی عمارات سے قبل مسجد اقصیٰ یعنی مسلمانوں کے قبلہ اول کا ذکر کرتے ہیں ۱۵ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد میں جناب ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں بغیر جنگ کے بیت المقدس فتح ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عیسائیوں نے شہر کی کنجیاں آپ کے سپرد کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کے مذہبی پیشوا سے تعمیر مسجد کے لئے مناسب جگہ دریافت کی۔ اس نے ہیکل کے اجاڑ ویرانہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ یہی "سلیمانی ہیکل" کا مقام ہے۔ جہاں یعقوبؑ نبی کا "بیت ایل" اور داؤدؑ نبی کا "خیمہ عبادت" نصب تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر تعمیر کے کام میں مصروف عمل ہو گیا۔

پندرہ سو فٹ لمبا اور ایک ہزار فٹ چوڑا احاطہ تعمیر کیا گیا۔ جسے حرم شریف کہتے ہیں۔ حرم شریف کے احاطے میں نارنگی، زیتون اور سرو کے درخت لگائے گئے۔ حرم کے جنوبی حصے میں ایک وسیع مسقف جگہ مسجد کے لئے مخصوص ہے اسے عام طور پر "مسجد عمرؓ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حرم کے وسط میں ایک چبوترہ ہے جس پر ستون کے سہارے ایک خوبصورت گنبد بنایا گیا ہے اس حصہ کو "صخرۃ اللہ" یا اختصار کے ساتھ "الصخرۃ" کہتے ہیں انگریزی میں اسے "ڈوم آف دی راک" (DOME OFTHE R..K) کہتے ہیں۔ دہلی کا مقبرہ ہمایوں بالکل اس کے طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں عیسائیوں نے مسجد کو قربان گاہ کی صورت میں بدل دیا تھا۔

حرم شریف کی شمالی دیوار کے ساتھ حجرے ہیں جن میں برطانوی انتداب کے قیام اور ترکوں کی شکست سے قبل قدیم عربی یونیورسٹی تھی۔ مغربی دیوار کے ساتھ والے برآمدہ دار حجروں میں شریف حسین (شریف مکہ) کی قبر اور مسلمانان ہند کے محبوب رہنما مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی آخری آرامگاہ ہے۔

فلسطین میں برطانوی نظم و نسق:

۱۹۲۱ء میں فلسطین پر برطانیہ نے قبضہ کیا ۱۹۲۲ء میں لیگ آف نیشنز نے برطانوی انتداب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء میں انتداب کی مدت ختم ہو گئی۔

ارض مقدس کا نظم و نسق برطانوی ہائی کمشنر کے سپرد تھا۔ اس کا دارالسلطنت بیت المقدس تھا۔ اور صدر دفتر گرانڈ ہوٹل میں واقع تھا، ایک برائے نام مشاورتی

کونسل بھی بنادی گئی تھی ۔ سارے ملک میں ۲۴ میونسپل کمیٹیاں تھیں ۔ ان کے اختیارات بالکل محدود تھے ۔ دسمبر ۱۹۳۶ تک مسلمانوں کے لیے سلطنت عثمانیہ کا پرانا اسلامی قانون تھا۔ مگر دوسرے سال جدید برطانوی قانون نافذ کردیا گیا گیا۔ مسلم اوقاف، نکاح، طلاق اور خلع کے لئے قاضیوں کے تحت ایک محکمہ شرعیہ تھا۔ آخری اپیل عدالت العالیہ کے صدر مفتی اعظم کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ یہود کے مذہبی معاملات ان کے علماء کے بورڈ کے سپرد تھے ۔ اور آخری فیصلہ کے لئے ربّی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ کاؤنسل کے مشرقیوں کے لئے جدا اور سفید فام مغربی یہودیوں کے لئے علیحدہ ربّی تھا ۔ حکومت کی دفتری زبانیں عربی انگریزی اور عبرانی تھیں ۔ سالانہ میزانیہ اسی لاکھ سے ایک کروڑ پونڈ تک ہوتا تھا۔ برطانیہ کی ۵ لاکھ پونڈ سالانہ کی امدادی رقم اس کے علاوہ تھی۔ بنک اور کرنسی کا سارا کاروبار انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔

سلطنت متحدہ ہاشمیہ

(عمان) عمان شرق اردن کا مشہور اور قدیم شہر ہے ۔ سنہ عیسوی کے ابتدائی سالوں میں یہ شہر یونانی اور رومن تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد عیسائی حکومت کے زیرنگین آ گیا۔ اور ۶۳۲ء میں اسلامی ممالک کی فہرست میں شامل ہوا ۔ عمان کی آبادی پینتالیس ہزار ۴۵ تک پہنچ گئی ہے ۔ آبادی کا بیشتر حصہ مفلس اور جاہل ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کوئی سیاسی یا ادبی تحریک موجود نہیں ۔ سارے شرق اردن میں کوئی کالج یا یونیورسٹی نہیں ۔ کچھ اسکول ضرور ہیں ۔ عمان کی عام اور سرکاری زبان عربی ہے ۔ سارے شرق اردن کے

تین ضلعے اور ہیں ۔کرک۔ بلقا اور اجلون ۔ یہ صحرائی اور ریگستانی علاقہ ۳۰ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے جس میں صرف ۳۰ مربع میل کا مغربی علاقہ ایسا ہے ۔ جو سرسبز اور شاداب ہے ۔ علاقہ میں تیل کے کچھ چشمے ہیں جن کا ٹھیکہ دس مئی ۱۹۴۷ء کو ۵ سال کے لئے عراق پٹرولیم کمپنی کو دے دیا گیا ہے۔

عمان صحرا کے کنارے پر واقع ہے ۔شہر کی مسجد مکہ کی مسجد کی طرز پر بنائی گئی ہے۔ قریب کی پہاڑی پر قصر جالوت ہے ۔اور شہر میں ایک مسجد کے ساتھ ملعب سلیمانی ہے ۔ یہاں تارپین کے تیل کے درخت بکثرت ہیں۔" شرق اردن اور عمان کی اقتصادی حالت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے ۔ کہ ۴۰-۱۹۳۹ء میں سلطنت کا میزانیہ پانچ لاکھ تیرہ ہزار (۵۱۳۰۰۰) پونڈ تھا اور ۴۷-۱۹۴۶ء کا میزانیہ ۵۴۴۸۵۱۵ پونڈ۔ سارے ملک کی آبادی ۴ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ ۸۰ فیصدی مسلمان ہے باقی عیسائی ہیں آبادی میں ایک لاکھ بیس ہزار خانہ بدوش ہیں۔ پچاس ہزار بالکل وحشی بدو ہیں۔ (دیکھئے المانک ۱۹۴۸ء)

شاہ عبداللہ کی حکومت عمان کا نظم و نسق :- ۱۹۲۱ء میں امیر عبداللہ کی تاج پوشی کی گئی۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں لیگ آف نیشنز کی منظوری سے شرق اردن کے قیام کا اعلان کیا ۔ ۱۹۴۶ء میں شرق اردن کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور امیر عبداللہ کو بادشاہ کا لقب عطا ہوا ــــــــ حکومت عمان ایک شخصی حکومت ہے اور کاروبار سلطنت کے لئے ایک مختصر سا کابینہ ہے جس کے وزیر اعظم توفیق پاشا تھے ابوالہدیٰ اور صدر خود شاہ عبداللہ ہیں کابینہ کے علاوہ ایک پارلیمنٹ ہے جس کے ممبر خود بادشاہ نامزد کرتا ہے ــــــــ فلسطین پر شاہ عبداللہ کے قبضے کی تفصیل آپ "عرب لیگ" والے باب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔

(خلاصہ)

روزنامچہ جہادِ فلسطین

از ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء تا ۱۵ مئی ۱۹۴۹ء

چند عنوانات

عرب اور اسرائیل کی آویزش

عارضی صلح

مستقل صلح

جنگ کے لئے صلح

اگست سے دسمبر ۱۹۴۸ء

صحرائے نجب کی جنگ

جنوری سے ۱۵ مئی ۱۹۴۹ء

عرب اسرائیل معاہدات

عرب اور اسرائیل کی آویزش

برطانوی انتداب سے قبل ہی اپریل ۱۹۴۸ء کے آخر میں فلسطین کے عرب اور یہودیوں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ یہودنے کئی مقامات پر فوجی پیشقدمی شروع کر دی۔ لیکن انتداب کے خاتمہ تک دوسری تمام عرب حکومتیں حالات کا مطالعہ کرتی رہیں۔ سیکورٹی کونسل نے امریکہ بلجیم اور فرانس کے کونسل جنرل صاحبان کو ثالث مقرر کیا۔ اور برطانوی ہائی کمشنر کی وساطت سے درخواست کی کہ دونوں بیت المقدس میں جنگ بند کر دیں۔ چنانچہ ۸ مئی کو دونوں نے بیک وقت جنگ بند کر دی۔

۱۱ مئی کو یہودی ایجنسی نے تل ابیب یروشلم روڈ پر اپنے قبضہ اور عمل دخل کا اعلان کر دیا ـــــ ۱۴ مئی کو عراق، مصر اور شرق اردن کی افواج اپنی اپنی سرحدات پر جہاد فلسطین میں شرکت کے لئے تیار ہو کر پہنچ گئیں۔

۱۵ مئی کو برطانوی انتداب اٹھتے ہی اسرائیل کی مفروضہ ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اور باقاعدہ جنگ شروع کر دی گئی ـــــ جنوب سے مصری افواج نے بلغار کی، مشرق سے شاہ عبداللہ کی عرب لیجن نے دریا اردن کو پار کر کے ہلہ بول دیا۔ شمالی حصے شام لبنان اور عراق کی باقاعدہ افواج نے سرحدات کو عبور کر کے حملے شروع کر دیئے۔

۱۵ مئی کو ہی عربوں نے معاہدہ کے مطابق یافہ یہود کے حوالے کر دیا۔ ٹیپان پر یہود نے جارحانہ قبضہ کر لیا۔ یہ شہر عربوں کی اکثریت والا ہے ـــــ ۱۷ مئی کو آٹھ بار مصری طیاروں نے یہود کے دارالخلافہ تل ابیب پر بمباری کی۔

۱۸ مئی کو غازہ پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ تل ابیب، یروشلم روڈ کے یہودی مورچوں پر گھمسان کی جنگ جاری رہی ــــ ۱۹ مئی کو گلب پاشا کی زیر سرکردگی عرب لیجن نے شہر کے متعدد حصوں پر قبضہ کر لیا ــــ ۲۱ مئی کو مصری افواج نے بیر شیبہ پر قبضہ کر لیا ــــ ۲۲ مئی کو بیت المقدس کے محصور یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور شہر پر عرب افواج کا مکمل قبضہ ہو گیا۔

۔۳۰ مئی کو عرب افواج نے ذوالکرم۔ نابلس اور ایک دوسرے اہم شہر پر عراقی افواج پیش قدمی کرتی ہوئی یہودی دارالخلافہ سے صرف ۵ امیل دور رہ گئیں ــــ ۳۱ مئی کو بیت المقدس کی عیسائی انجمن نے اس امر پر احتجاج کیا کہ یہودی ان کے گرجوں اور مذہبی اداروں کو فوجی پناہ گاہ اور حملہ کے مورچوں کی صورت میں استعمال کر رہے ہیں ــــ ۲ جون کو عراقی افواج یہودی دارالخلافہ تل ابیب سے صرف ۹ میل دور تھیں ــــ ۴ جون کو عراقی فوجوں نے تل ابیب اور حیفہ کی مشہور بندرگاہ کو کاٹ دیا۔ اور اس طرح اسرائیل ریاست کے دو ٹکڑے ہو گئے ــــ ان حالات میں سیکورٹی کونسل نے عربوں کو مجبور کیا کہ وہ عارضی صلح قبول کر کے جنگ بند کر دیں۔ یہ عارضی صلح عربوں کے لئے زہر قاتل تھی۔ اور یہود کے لئے تیاری کرنے کا موقع۔ لیکن عربوں نے بین الاقوامی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے عارضی صلح کو قبول کر لیا۔

عارضی صلح (۱۱ جون سے ۹ جولائی ۱۹۴۸ء تک۔

سیکورٹی کونسل نے ۲۵ مئی کو جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کیا ــــ پھر دونوں کو عارضی مہلت دی گئی۔ مگر وہ بھی بیکار ثابت ہوئی۔ ۱۰ جون کو یہ مدت

پھر بڑھادی گئی ——— ۲ جون کو برطانوی قرارداد کا یہ حصہ منظور کرلیا گیا۔ کہ عرب اور یہودی چار ہفتوں کے لئے جنگ بند کر دیں۔ اور اپنے فیصلہ کی اطلاع ۴ تاریخ کی رات کے ۱۰ بجے تک، لیک سیکسس میں دے دیں۔ اتحادی قوموں کی طرف سے کاؤنٹ برنادوتے ثالث قرار پائے۔ اور وہ اپنے ساتھی ممبرین کے ہمراہ فلسطین روانہ ہوگئے ——— ۱۱ جون ۱۹۴۸ء بروز ہفتہ ۱۲ بجے کا وقت مقرر ہوا۔ صلح کی شرائط میں سے چند ایک یہ تھیں کہ دورانِ صلح میں کوئی غیر ملکی یہودی ارض مقدس میں داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ دونوں اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں پر قابض رہیں گے۔ اتحادی مبصرین کو آزادانہ طور پر جھگڑے والے علاقوں میں آمد و رفت اور معائنہ کا اختیار ہوگا۔ اس مدت میں کوئی فریق بھی جارحانہ اقدام نہ کرے گا۔ اور باہر سے اسلحہ وغیرہ کی درآمد نہ کی جائے گی"۔ وقت مقررہ شروع ہونے سے قبل جمعرات اور جمعہ کے دن دونوں طرف سے نہایت زور دار حملے ہوئے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ علاقہ حاصل کیا جاسکے بالآخر ۱۲ بجے جنگ بند کر دی گئی۔ لیکن اس عارضی صلح کے دوران میں بھی یہود نے بار بار شرائط کی خلاف ورزی کی۔ کئی جارحانہ حملے کئے۔ فوجی رضا کاروں کی بھرتی اور باہر سے درآمد جاری رکھی۔ کئی اخبار نویس مارے گئے۔ ایک اتحادی مبصر کو بھی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا یا مبصرین کو متنازعہ کے مقامات تک جانے سے روکا۔

مستقل صلح کی گفت و شنید:۔

کاؤنٹ برنادوتے نے عارضی صلح شروع ہوتے ہی مستقل صلح کی گفتگو

شروع کر دی۔ لیکن کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچ سکے ــــــ ۲۹۔ جون کو ثالث نے اپنی طرف سے مندرجہ ذیل تجاویز دونوں کو بیک وقت ارسال کر دیں۔ ان تجاویز کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ عرب اور یہود ریاستوں کی ایک فیڈرل قائم کی جائے۔ بیت المقدس عربوں کے زیر اقتدار ہو۔ حیفہ آزاد بندرگاہ رہے۔ جنوبی فلسطین کا بے آب وگیاہ علاقہ عربوں کے قبضہ میں رہے۔ باقی تمام حصہ یہود کو دے دیا جائے ــــــ یکم جولائی کو عربوں نے متفقہ طور پر ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی اصول پر بھی خود مختار یہود ریاست کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ــــــ دوسری طرف یہود نے بھی ان تجاویز سے اتفاق نہ کیا۔ اور بیت المقدس اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا ــــــ ۳۔ جولائی کو عرب لیگ کا خفیہ طویل اجلاس ہوا۔ اس میں نئی تجویزیں مرتب کر کے اتحادی ثالث کو بھیج دیں۔ "عارضی حکومت قائم کی جائے جو آزاد، خود مختار اور جمہوری ہو۔ اس میں ہر شخص کے حقوق مساوی ہوں۔ نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہو۔ اور یہودیوں کے اکثریت کے علاقوں کی سرکاری زبان عبرانی ہو۔

جنگ کے لئے صلح

۸۔ جولائی کے اجلاس میں سیکورٹی کونسل نے عارضی صلح کی مدت بڑھانے کی تجویز منظور کر لی۔ لیکن اس سے نہ عربوں نے اتفاق کیا نہ یہودیوں نے۔ صلح کی مدت ختم ہوتے ہی ۹۔ تاریخ کو یہود نے ایک زبردست حملہ کر کے لدہ اور رملہ کے ہوائی اڈوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر عربوں نے ۱۱۔ تاریخ کو یہ

دونوں شہر دوبارہ حاصل کر لئے۔ ۱۴- جولائی کو امریکی مندوب نے تجویز پیش کی کہ تین روز کے اندر اندر جنگ بند کر دی جائے۔ اور اگر کوئی فریق ایسا نہ کرے تو اس کے خلاف اقتصادی، سیاسی اور فوجی کارروائیاں کی جائیں۔

کاؤنٹ برنادوتے نے اس تجویز پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ عارضی صلح سے یہود کو ہی فائدہ پہنچے گا ـــــ لیکن واضح اکثریت سے یہ قرارداد منظور ہو گئی ـــــ ۱۷- جولائی کو یہود نے جنگ بند کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ چونکہ ان کا مفاد اسی میں تھا کہ تیاری کے لئے مزید وقت حاصل کر لیں ـــــ عرب عوام نے جنگ بند کر دینے کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ اور شامی نمائندوں نے آخر وقت تک مخالفت کی۔ لیکن ۱۸ار جولائی کو عرب لیگ نے جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اور بیت المقدس کو "دارالامن" قرار دیا۔

اگست ۱۹۴۸ء

یکم اگست ۱۹۴۸ء کو اتحادی ثالث برنادوت اپنے صدر مقام روڈز سے چھ دن کے پروگرام پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے شاہ عبداللہ صاحب سے پہلے ملاقات کی۔ ۲- تاریخ کو بیت المقدس پہنچکر شاہ عبداللہ کی عرب لیجن کے کمانڈر گلب پاشا سے ملے۔ قاہرہ پہنچکر مصر کے وزیر اعظم نقراشی پاشا اور عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن عزام پاشا سے ملاقات کی۔ اس کے بعد آپ یہود سے گفت و شنید کے لئے روانہ ہو گئے۔

عرب لیگ کی تجویز کے مطابق عربی افواج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے

اُن کے علاقے مخصوص کر دیئے گئے۔ ایک حصہ شرق اردن اور عراق کی مشترکہ کمان کے سپرد ہو گیا۔ دوسرا حصہ شام و لبنان کی افواج کے تحت کر دیا گیا۔ اور تیسرے علاقے کی نگرانی سعودی عرب، یمن اور مصر کی افواج کو دے دی گئی۔ اگست میں گو صلح کی حالت تھی لیکن جھڑپیں برابر ہوتی رہیں۔ چنانچہ عرب مجلس اعلیٰ نے فلسطین کی آزادی اور عربوں کی خود مختاری کے لئے پھر جہاد شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ —— ۸ اگست کو یہودی دہشت پسند جماعت ارگون زوئی نے سلطنت اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے اسرائیلی علاقوں میں حکومت کی اطاعت قبول کر لی لیکن بیت المقدس میں بدستور دہشت پسندی جاری رکھی۔

۱۱۔ اگست کو "اسکاٹس مین" کے نامہ نگار نے اطلاع دی کہ اسرائیلی حکام کے نزدیک بھی مسلم متبرک مقامات اور تاریخی عمارات کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور حسن ابدال کی مسجد مسلسل گولہ باری سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔

۱۲۔ اگست کو عربوں نے بیت المقدس میں جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا مگر یہودی نے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے بیت المقدس کے اندر یہودی علاقے کا پانی بند کر دیا۔ —— ۱۵۔ اگست تک بیت المقدس میں جھڑپیں شدت سے جاری رہیں۔ کاؤنٹ برنادوت نے یہود کو متنبہ کیا۔ کہ اگر وہ باز نہ آئیں گے تو معاملہ سیکورٹی کونسل میں رکھ دیا جائے گا —— اسی دن "سٹار" کے نمائندہ نے اطلاع دی کہ جرمنی کے برطانوی علاقہ میں، جو چار ہزار یہودی ہمبرگ کے کیمپ میں نظر بند تھے۔ امریکہ کی ساتر بانز کے ذریعے وہاں سے بھاگ نکلے پہلے وہ مارسیلز پہنچے۔ پھر پرمٹ بنوا کر فلسطین میں داخل ہو گئے۔

۱۸۔ اگست کو انہوں نے بیت المقدس کے اندر اقوام متحدہ کی دو عمارات پر قبضہ کرلیا۔ ان پر بین الاقوامی انجمن صلیب احمر کے جھنڈے لگے ہوئے تھے، اسی دن عربوں کے دارالعلوم اور برطانوی ہائی کمشنر کی اقامت گاہ گورنمنٹ ہاؤس پر دھوکہ دے کر قبضہ کرلیا ــــــ عربوں کے احتجاج سے مجبور ہوکر ۲۱ اگست کو اتحادی مبصرین اس جھگڑے کو طے کرانے کے لئے بیت المقدس پہنچے چنانچہ ۴۔ ستمبر کو سمجھوتہ ہوگیا۔ یہودیوں نے قبضہ چھوڑ دیا۔ اور غیر جانبدار علاقہ قرار دے دیا گیا۔

جنگی طاقت کو بہتر بنانے کے لئے شرق اردن اور عراق کی افواج کو ایک مشترک کمان میں دے دیا گیا۔ ــــ ۲۶۔ اگست کو دو نہایت اہم اطلاعات آئیں ایک یہ کہ "الجہاد المقدس" کے نام سے ایک خفیہ فوج بنائی گئی ہے۔ جو بتیس ہزار سپاہ پر مشتمل ہے۔ اس کی قیادت حضرت مفتی اعظم خود فرمائیں گے ــــــ اسی تاریخ کو فلسطین میں مصری افواج کے کمانڈر انچیف جنرل احمد عزیز غلطی سے اپنے ہی سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

صحرائے نجب کی جنگ:

اکتوبر ۱۹۴۸ء کے آغاز میں صحرائے نجب کے اندر جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے ایک طرف یہودی اور دوسری طرف مصری افواج ۱۴۔ اکتوبر کو دست بدست لڑائی نے شدید صورت اختیار کرلی ــــــ ۱۷۔ اکتوبر کو یہود نے عرب آبادی و حکومت کے دارالخلافہ غزہ پر بم باری کی ــــــ ۱۸۔ اکتوبر کو یہودیوں نے بیت المقدس پر شدید بم باری کی۔ ایک دن میں ۲۲۰ گولے پھینکے۔

عزام پاشا نے اعلان کردیا اگر یہودی ان حرکات سے باز نہ آئے۔ تو ہر محاذ پر جنگ شروع کردی جائے گی۔

۱۹۔ اکتوبر کو سیکورٹی کونسل نے صحرائے نجب میں فوراً جنگ بند کر دینے کا فیصلہ متفقہ رائے سے کر دیا ۔ ——— مصری حکومت اور آخرکار خود ساختہ ریاست اسرائیل نے بھی اپنی افواج کو صحرائے نجب میں ۵½ بجے ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو جنگ بند کر دینے کا حکم دے دیا ۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی چالیس اتحادی مبصرین محاذ نجب کو روانہ ہو گئے ۔ تاکہ حالات کا مطالعہ کر سکیں ۔ مگر جنگ بدستور جاری رہی ۲۲۔۲۳ کی درمیانی رات میں حیفہ پہ ہوائی حملہ ہوا ——— ۲۳ اکتوبر کو نقراشی پاشا وزیر اعظم مصر نے ایک طویل پر از معلومات بیان کے ذریعہ خانہ ساز یہودی اطلاعات کی تردید کی ——— ۲۴۔ اکتوبر کو حکومت مصر نے قائم مقام اتحادی ثالث سے زبردست احتجاج کیا کہ اگر یہودی باز نہ آئے وہ بھی شرائط صلح کی پابندی پر مجبور نہ ہوں گے ۔ چنانچہ ۲۵۔ اکتوبر کو ایک مصری افسر نے اعلان کیا کہ ہم نے یہودیوں کی خلاف ورزی سے مجبور ہو کر دوبارہ ہتھیار اٹھا لئے ہیں ۔ اسرائیل کے ایک فوجی ترجمان نے اس خبر کی تائید کی کہ شمالی فلسطین میں یہودی "منارہ" میں ناکام رہے ہیں ۔ ——— حکومت مصر کے احتجاجی مراسلہ پہ ۲۶ اکتوبر کو سیکورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا ۔ مگر صدر اجلاس نے یہ کہہ کر اجلاس ملتوی کر دیا کہ عربوں کا بیان یکطرفہ ہے ۔ ——— ۲۹۔ اکتوبر کو سیکورٹی کونسل کا اجلاس دوبارہ منعقد ہوا ۔ اس میں بھی تاحال کا فی کی قرارداد منظور نہ ہو سکی ۔ اجلاس ختم ہو گیا ۔ مگر جنگ بدستور جاری رہی ۔ بالآخر ۳۱۔ اکتوبر کو ایک بار پھر قائم مقام اتحادی ثالث نے عرب اور یہودیوں کو حکم دیا کہ فوراً غیر مشروط طور پر جنگ بند کر دیں ۔

نومبر ۱۹۴۸ء یکم نومبر کو آخر اسرائیل نے نجب کے علاقہ میں جنگ بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ مگر مبصرین کا بیان ہے۔ کہ یہودی لبنانی علاقہ میں بدستور پیشقدمی کر رہے ہیں۔ ۱۵ نومبر کو ڈاکٹر رالیف بنچ اتحادی ثالث نے صحرائے نجب میں جنگ ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اور حکم دیا دونوں فوجیں اپنے اصل مقامات کو لوٹ جائیں۔ متنازعہ فیہ علاقہ کو غیر جانبدار علاقہ قرار دیا گیا۔ نیز یہ کہ صحرائے نجب کا مرکزی شہر بیر شیبہ مصری افواج کے زیر نگیں رہے گا۔ اس فیصلہ سے عربوں کو اطمینان ہو گیا۔ مگر اسرائیل مطمئن نہ ہوئے۔ اور اس فیصلہ پر احتجاج کیا —— سلامتی کونسل نے کینڈا کی یہ قرارداد منظور کر لی ہے کہ موجودہ عارضی صلح کو مستقل صلح کی صورت دے دی جائے۔ عرب یہود آپس میں براہ راست گفتگو کریں۔ میدان جنگ سے افواج پیچھے ہٹا لیں۔ اور اپنی افواج کی تعداد بھی کم کر دیں —— ۱۷ نومبر کو یہودی نجب کا علاقہ خالی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اتحادی مبصرین کثیر تعداد میں صحرائے نجب کو روانہ ہو گئے اور پیمائش اور حد بندی کا کام شروع ہو گیا۔ تاکہ یہ صلح مستقل حیثیت اختیار کر لے۔

فلسطین کے مسئلہ پر مجلس اقوام متحدہ کی سیاسی کمیٹی میں تین ہفتے تک بحث و تمحیص ہوتی رہی مختلف تجاویز زیر بحث آئیں۔ مصر و شام۔ پاکستان اور ہندوستان کے مندوبین نے فوری اقدام پر زور دیا۔ اور تقسیم کی مخالفت کی۔

دسمبر ۱۹۴۸ء - یکم دسمبر کو برطانوی تجویز امریکی ترمیم کے ساتھ ۱۶ کے مقابلہ میں ۲۵ ووٹوں سے منظور کر لی گئی۔ کہ تین ارکان پر مشتمل ایک مصالحتی کمیشن مقرر کیا جائے۔ اور یہ کمیشن اس قدر اختیارات رکھتا ہو کہ جس امر پر عرب اور

یہودی متفق ہو جائیں۔ وہ اسے نافذ کرے۔ ۹ دسمبر کو ڈاکٹر بنچ نے مصری اور اسرائیلی افواج کو ۴۸ گھنٹے کا نوٹس دیا کہ وہ اس عرصہ میں جنگ بالکل بند کر دیں۔ مگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ معاملہ سیکورٹی کونسل کے سپرد کر دیں گے۔ اس نوٹس کا اچھا اثر پڑا اور جنگ بند ہونے کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد اچانک ۲۲ دسمبر کو تل ابیب سے حکومت اسرائیل نے اعلان کر دیا کہ وہ صحرائے نجب کی عارضی صلح کو منسوخ کرتے ہیں۔ اس اعلان کے ساتھ ہی یہودی افواج نے پیشقدمی شروع کر دی۔ اور فلسطین کے جنوب یعنی صحرائے نجب میں پھر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ——— ۱۱ دسمبر کو دوسری طرف مسئلہ فلسطین جب مجلس اقوام متحدہ کی اسمبلی میں پیش ہوا۔ تو اسمبلی نے تین ارکان پر مشتمل مصالحتی کمیشن والی قرارداد ۱۵ کے مقابلہ میں ۴۵ ووٹوں سے منظور کر لی۔ کمیشن کے لئے فرانس امریکہ اور ترکی کے ناموں کی حمایت کی گئی۔ جنرل اسمبلی نے یہ آسٹریلیائی ترمیم بھی منظور کر لی کہ کمیشن کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کوئی مستقل صلح بجبر نافذ کرائے۔ اس ترمیم کی رو سے سیکورٹی کونسل کی تین ہفتہ کی بحث اور جنرل اسمبلی کی تمام سردردیوں پر پانی پھر گیا اور ڈھاک کے تین پات کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

۲۹ دسمبر کو مختلف اطلاعات سے معلوم ہوا کہ اسرائیلی افواج مصر کی حدود میں ۱۰ میل دور تک آگے بڑھ آئی ہیں۔ بین الاقوامی لحاظ سے یہ صورت حال بیحد پریشان کن ہے۔ چونکہ مصر سے برطانوی معاہدے کے مطابق برطانیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورت حال میں مصر کی طرف سے فریق مخالف کے ساتھ جنگ کرے۔

۳۰ دسمبر کو صحرائے نجیب میں مصری ہوائی جہازوں نے یہودیوں کے تین بم برسانے والے طیارے گرا لئے۔ یہ نقصان یہود کے لئے حوصلہ شکن ثابت ہوا سیکورٹی کونسل نے ۴ نومبر والی قرارداد کے مطابق دونوں فریق کو جنگ بند کر دینے کا حکم دیا۔ اور ساتحادی ثالث کو اس بارہ میں رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی۔

۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء تک صحرائے نجیب کی جنگ شدت کے ساتھ جاری رہی۔ حکومت مصر نے دعویٰ کیا کہ وہ اسرائیلیوں کا تعاقب کر رہی ہے۔ اور آج بھی دو یہودی طیارے مار گرائے ہیں۔

از یکم جنوری تا ۱۵ مئی ۱۹۴۹ء

چند اہم واقعات: سال رواں کے آغاز میں مفتی اعظم فلسطین اور ان کے ذاتی نمائندہ عبداللہ غوشہ اور سلیم علی حسینی کراچی تشریف لائے۔ ۴ جنوری کو انہوں نے لاہور صلیب احمر کے مرکز کا معاینہ کیا۔ اور کئی جلسوں میں تقاریر کیں۔ اور متعدد تقاریب میں حصہ لیا۔ اس کے بعد وہ پشاور اور صوبہ سرحد کے دورہ پر گئے۔ اپریل میں انہوں نے مشرقی پاکستان کے متعدد شہروں کا دورہ کیا۔ اور تقاریر کیں۔ —— ۷ جنوری تک عراقی افواج بدستور سرگرم عمل رہیں۔ قلقیلیا کے محاذ پر انہیں کافی کامیابی حاصل ہوئی۔ ماہ اپریل میں عراقی افواج مختلف محاذوں سے ٹرک اور بسوں میں واپس آنا شروع ہوگئیں اس مقصد کے لئے مختلف سرحدی راستے بند کر دیئے گئے۔ اور کرفیو لگا دیا گیا۔

۷ رجنوری کو ہی ترکی حکومت نے عرب ممالک کے نمائندوں کے احتجاج پر یہودیوں کے اجازت ناموں کو منسوخ کر دیا۔ جونکہ چند ہفتوں سے وہ بڑی تعداد میں فلسطین جا رہے تھے۔ جنوری کے پہلے ہفتے میں مصر و اسرائیل آویزش دوبارہ ہو گئی۔

۸۔ جنوری کو برطانوی وزارت فضائیہ نے اعلان کیا کہ یہودی مصری حدود میں داخل ہو گئے۔ اور مصری حدود پر برطانوی طیارے گرالئے۔ چنانچہ مصری حکومت کے اعلان کے مطابق ۱۰۰ مصری شہری ہلاک ہوئے۔ مگر جلد ہی یہودی پیچھے ہٹ گئے ——— ۹ جنوری کو حکومت برطانیہ نے یہود سے اپنے اُن طیاروں کا معاوضہ طلب کیا۔ جو یہودیوں نے سرحد پر گرالئے تھے۔ مگر یہودی نمائندے نے یہ مراسلہ اپنی حکومت کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس میں باقاعدہ "حکومت اسرائیل" کو خطاب نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے دن ۱۰ جنوری کو شاہ عبداللہ کی درخواست پر حکومتِ برطانیہ نے مزید امدادی فوج بھیجنے کا اعلان کر دیا اور عقبہ میں فوج زیادہ کر دی۔ دوسری طرف روسی حکومت نے یہود کی امداد کا اعلان کر کے بین الاقوامی صورتِ حالات کو مخدوش کر دیا۔

۱۳ر جنوری کو برطانیہ نے فیصلہ کر دیا کہ سائپرس میں جو گیارہ ہزار یہودی خاندان آباد ہیں۔ انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ اور فلسطین جانے کی اجازت ہو گی۔ چنانچہ اُن کا پہلا دستہ روانہ ہو گیا ——— ۲ فروری کو علیلی تخلیج (اتحادی قوموں میں عرب اعلیٰ کمیٹی کے نمائندے) نے کراچی میں تقریر کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان اور مسلمانانِ پاکستان کی امداد و اعانت کا شکریہ ادا کیا۔ اور پر زور الفاظ میں اعلان کیا کہ عرب صیہونیت کو ختم کر کے ہی دم لیں گے

۳؍ فروری کو قاہرہ مقام اتحادی ثالث نے ۷ عرب ممالک (شرق اردن عراق، عرب، شام یمن اور عرب لیگ) کو رہوڈز۔ میں آکر بات چیت کی دعوت دی۔ ابتداء میں شام و عراق نے شرکت سے انکار کر دیا۔

۱۳ فروری کو جملہ مدعو ممالک نے اس شرط پر آمادگی ظاہر کی۔ کہ اسرائیلی حکومت پہلے مہاجر عربوں کو دوبارہ آباد کرنے اور فلوجہ کو غیر جانبدار علاقہ قرار دینے پر آمادہ ہو جائے ——— ۱۳ فروری کو عالم اسلامی کی مشہور شخصیت، عربوں کے مشہور رہنما، اور مصر میں انگریز کے جانی دشمن شیخ حسن البنا صدر و بانی تحریک اخوان المسلمین شہید کر دیئے گئے۔ آپ جہاد فلسطین کے بہت بڑے داعی اور تحریک اخوت اسلامی کے سب سے بڑے قائد تھے۔

۱۶ فروری کو ترکی حکومت نے پیش کش کی۔ کہ اس کی افواج عرب ممالک کی سرحدات کی حفاظت کرنے کو تیار رہیں۔ بیرونی حملہ کی صورت میں وہ پوری پوری مدافعت کریں گی ——— ۱۷ فروری کو یہودیوں نے بیت المقدس میں ۱۲ اور ۱۵ ہزار کے درمیان مزید فوج جمع کر لی ——— ۳ مارچ کو یہودی افواج نے عقبہ کے محاذ پر پیشقدمی شروع کر دی۔ تاکہ عربی جنگ سے شرق اردن کو صلح پر مجبور کیا جائے ——— ۱۰ مارچ کو عقبہ کے شمال میں دونوں افواج کی سخت ٹکر ہوئی ——— دوسری طرف صحرائے نجب میں یہودی عربہ تک پہنچ گئے۔ اور شرق اردن کی حدود میں داخلہ کی کوشش کی لجنتہ العربیہ نے سخت مزاحمت کی۔ اس دوران میں برطانوی افواج بھی آنی شروع ہو گئیں۔

۱۶۔ مارچ کو عراقی حکومت نے مجلس اقوام متحدہ سے یہود کے اس حملہ

پر احتجاج کیا۔ جو انہوں نے پانچ سو عرب مہاجرین پر مشین گنوں سے کیا تھا ـــــــ ۔ ۳۰ مارچ کو شام کے کمانڈر انچیف کرنل حسن زعیم نے فوجی بغاوت کے ذریعہ شام میں فوجی حکومت قائم کر لی۔ آپ گزشتہ جنگ فاشست خیالات کی بنا پر نظر بند کئے گئے تھے۔ آپنے خالد العظم (وزیر اعظم) اور شکری القوتلی (صدر جمہوریہ) اور دوسرے چیدہ چیدہ حکام کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ اور مارشل لا نافذ کر دیا۔ ابتدا میں بغاوت کے جو اسباب بیان کئے گئے۔ "شام عظمیٰ" تحریک کی حمایت یا شام و اسرائیل کی ہونیوالی گفتگو کے لئے مصالحت میں نرم روی کی مخالفت ۔ مگر کرنل زعیم نے بغاوت کی وجہ کابینہ کی طرف سے افواج پر حملے ۔ اور اختلافات بیان کئے ۔

فارس بے الخوری کو وزارت سازی کی دعوت دی گئی ۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی۔ تو کرنل زعیم نے خود ہی کابینہ مرتب کر لیا۔ سٹار کی اطلاع کے مطابق ۳ اپریل کو نیا سکہ جاری کر دیا۔ اور آخر ماہ تک نئے ٹکٹ بھی بن گئے ۔ یہ سب کچھ انگلستان میں ہوا ۔ برطانوی اور امریکی پریس کے رد عمل سے اینگلو امریکن بلاک کی شہ معلوم ہوتی ہے ۔ ۲۷ اپریل کو کرنل زعیم نے شرق اردن کی سرحدات بند کر دیں ۔ اور بیان دیتے ہوئے کہا۔ کہ یہ اقدام شرق اردن کے فوجی رجحانات کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ اگر وہ چاہے تو شام میں شامل ہو جائے ۔ چونکہ آخر شرق اردن شام کا ایک چھوٹا حصہ تھا۔

قائم مقام اتحادی ثالث کی کوششوں سے مارچ کے وسط میں بیروت کے اندر عرب نمائندوں کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی۔ ۷ مارچ کو ناکامی کی حد

تک پہنچ گئی۔ چونکہ ۸ لاکھ مہاجرین کے لیسائے پیانے پر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ ۱۳ اپریل کو اسرائیل نے براہ راست گفتگو پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر تاحال کوئی متحدہ گفتگو نتیجہ خیز نہیں ہو سکی۔ ۔۔۔۔۔ اس سے قبل ۱۸ اپریل کو عراق کے وزیراعظم شام و عراق کی متحدہ جنگی کونسل بنانے پر آمادگی ظاہر کر چکے ہیں۔

اسرائیل سے معاہدے

(۱) **مصر اور اسرائیل** نمائندوں کے مابین روڈز کے مقام پر ۱۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو براہِ راست گفتگو سے مصالحت شروع ہو گئی۔ اتحادی ثالث نے بذاتِ خود ڈاکٹر بنچ (؟) کی صدارت کی۔ اور پوری دلچسپی سے حصہ لیا۔ ۲۳ جنوری کو غازہ کے سوال پر مشکل پیدا ہو گئی۔ یہاں مصر کا قبضہ ہے۔ مگر یہودی اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف شاہ عبداللہ غازہ کو شرق اردن میں شامل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ۲۵ جنوری کو دونوں حکومتوں کے نمائندے مشورے کیلئے واپس چلے گئے۔ ۳۱ جنوری کو غازہ کے سوال پر ہی صورت حال نازک ہو گئی۔ اور دوسرے عرب ممالک نے بھی شرکت کا مطالبہ کیا۔ ۱۶ فروری کو گفتگو کا نیا دور شروع ہوا۔ اور تعطل ختم ہو گیا۔ چنانچہ ۲۰ کو معاہدہ کا مسودہ تیار ہو گیا۔ مندوبین نے اس سے اتفاق کیا۔ اور دونوں حکومتوں کی تصدیق و توثیق کے لئے قاہرہ اور تل ابیب بھیج دیا گیا۔ معاہدے کے نکات حسب ذیل ہیں۔

(۱) موجودہ سرحدوں میں معمولی رد و بدل ہو گا۔ (ب) آبوجیہ (مصر کا سرحدی شہر) اس کا مرکز بنایا جائے گا۔ (ج) غیر جانبدار سرحدی علاقہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ (د) غزہ کا علاقہ مصر کے پاس ہی رہے گا۔ (ہ) ناوجہ سے مصری افواج نکال لی جائیں گی۔

(س) شرق اردن اور یہودی معاہدہ تک نجب میں اسرائیلی افواج رہ سکیں گی۔
(ص) فریقین نہ تو آیندہ جنگ کریں گے اور نہ جنگ کی دھمکی دیں گے۔ (ط) ایک مشترکہ مصالحتی کمیشن افواج کو غیر مسلح کرنے، جنگی قیدیوں کے تبادلے، اور سرحدوں کے متعین کرنے کے لئے مقرر کیا جائے گا۔

۲۱ فروری کو دونوں حکومتوں نے معاہدہ منظور کر لیا۔ اور ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء کو دستخط ہو گئے۔ یہ پہلا عرب اور اسرائیل معاہدہ ہے جس کی رو سے ۸ ماہ کی عرب یہودی جنگ ختم ہو گئی۔

(۲) لبنان اور اسرائیل کے درمیان گفتگوئے مصالحت جنوری ۱۹۴۹ کے آخری ہفتہ میں شروع ہوئی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے بعد دوبارہ ۲ مارچ کو از سر نو گفتگو شروع ہوئی پیچیدگیاں دور ہو جانے سے جلدی سمجھوتہ پر پہنچ گئے اور ۶ مارچ کو معاہدہ کا مسودہ تیار ہو گیا۔ مگر پھر اچانک مذاکرات ٹوٹ گئے ——— تیسری بار ۱۵ مارچ کو نئی بنیادوں پر گفتگو کا آغاز ہوا۔ اور ۲۱ تاریخ کو مکمل ہو گیا۔

لبنان کے سرحدی شہر راس النقورہ میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ یہ دوسرا معاہدہ ہے۔ اس کی رو سے طے پایا دس دن کے اندر اندر اسرائیلی افواج اُن سولہ لبنانی دیہات کو خالی کر دیں گی۔ جن پر وہ قابض ہو گئی ہیں۔ دونوں افواج پرانی سرحدات کو لوٹ جائیں گی۔ اور سرحدی افواج میں تخفیف کر دی جائے گی۔

(۳) سعودی عرب ۔ حکومت کی وزارت خارجہ نے اعلان کیا۔ کہ ان کی حکومت کو اسرائیل سے کسی سمجھوتہ کی ضرورت نہیں۔ اور اس سلسلہ میں وہ کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

(۵) شرق اردن اور اسرائیل کے درمیان مارچ ۱۹۴۹ء کی ابتداء میں

جنرل ولیم ای۔ ریلی کی کوششوں سے گفتگو شروع ہوئی۔ اجلاس روڈز میں ہوا جس میں شرق اردن کے سات نمائندوں نے شرکت کی ——— ۸۔ مارچ کو تین دن کے لئے گفتگو ملتوی ہو گئی۔ اور اسی تاریخ کو عراق کے وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ شرق اردن کو ہماری نمائندگی کا اختیار نہیں ہے ——— ۱۰ مارچ کو اچانک عقبہ کے شمال میں دونوں ملکوں کی افواج میں ٹکراؤ ہو گیا۔ یہود نے شرق اردن کی سرحدات میں پیشقدمی شروع کر دی ——— ۱۱۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو روڈز میں عارضی معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ بند کرنے کا فیصلہ ہوا۔ مگر اپنے اپنے علاقہ میں فوجی نمائش کی اجازت رہی۔ اسرائیل کی طرف سے مسٹر روبن شیلو اور کرنل موشے دایان نے اور شرق اردن کی طرف سے کرنل الازی اور لفٹنٹ کرنل محمد عاقی نے دستخط کئے ——— ۴۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو مکمل سمجھوتہ ہو گیا۔ معاہدہ پر دستخطوں کی تقریب میں بمشکل ۷ منٹ لگے۔ شرائط قریباً وہی ہیں جو عارضی صلح میں طے ہوئی تھیں۔ البتہ مشرقی فلسطین کا جو علاقہ عراق کے قبضہ میں تھا وہ شرق اردن کو دے دیا گیا۔ اندرائٹر کی اطلاع کے مطابق ۲۵۔ اپریل کو معاہدہ کی رو سے شرق اردن نے بیت المقدس کے شمال جنوب کا ۱۹ میل کا علاقہ اسرائیل کو دینے کا فیصلہ کر لیا۔

(۵) شام اور اسرائیل: معاہدہ کے لئے ۸۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو حکومتِ شام نے اتحادی ثالث کی دعوت منظور کر لی۔ اور سرحدات سے فوجیں ہٹانا منظور کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۔ مارچ کو گفتگوئے مصالحت شروع ہو گئی۔ مگر ۳۰۔ مارچ کو کرنل زعیم کی ناگہانی شام کے فوجی انقلاب کے باعث گفتگو بند ہو گئی ——— شام کے فوجی انقلاب کے[2]

[2] بعد ۱۲۔ اپریل کو شام کو دوبارہ مذاکرات شروع ہوئے۔ اور دوسرے ہی دن عارضی صلح ہو گئی [illegible]

مسئلہ فلسطین مجلس اقوام متحدہ میں

(U. N. O.)

چند عنوانات

تقسیم فلسطین

تین اتحادی ثالث

عارضی صلح

کاؤنٹ برنا دوٹ

اس کی سفارشات

صحرائے نجب کی جنگ

نیا مصالحتی کمیشن

مجلس اقوام متحدہ کا ضمیر

۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے باقاعدہ برطانیہ کو فلسطین کا انتداب عطا کیا۔ اور ۲۴۔ جولائی ۱۹۲۲ء کو کنفیڈریشن کی انجمن (لیگ آف نیشنز) نے اس پر مہر تصدیق کی دی۔ ۱۹۱۷ء کو اعلان بالفور کے ذریعہ یہود کو فلسطین میں قومی وطن کا وعدہ دیا گیا۔ اور عربوں کو بھی ان کی حفاظت کا یقین دلایا گیا

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو رات کے بارہ بجے برطانوی انتداب کی مدت ختم ہو رہی تھی لیکن اس سے پیشتر ہی یہود عرب آویزش شروع ہو گئی۔ حکومت برطانیہ نے "ثالث بالخیر" کے طور پر مزید پانچ سال کے لئے اپنی "تولیت" برقرار رکھنے کی پیش کش کی مگر ٹھکرا دی گئی۔

تقسیم فلسطین:

۱۹۴۷ء میں یہ معاملہ مجلس اقوام متحدہ (U.N.O) میں پیش کر دیا گیا۔ حفاظتی کونسل نے "فلسطین سپیشل کمیٹی" مقرر کر دی ——— کئی ماہ بعد اس نے سفارش کی کہ "فلسطین کو عرب اور یہودی دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور بیت المقدس شہر کو غیر جانبدار نظام کے تحت رکھا جائے"۔ عربوں نے مخالفت کی۔ مگر جنرل کونسل نے اس سفارش کو منظور کر لیا ——— عربوں کی متحدہ مخالفت سے مجبور ہو کر برطانیہ نے اعلان کیا کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ٹھونسا جائے گا ——— یہود نواز امریکہ نے اس مسئلہ پر یو۔ این۔ او کو عدم اعتماد کی دھمکی دی۔ اس لئے اپریل ۱۹۴۸ء میں حفاظتی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اور امریکہ کی یہ تجویز زیر بحث آئی کہ "مجلس اقوام متحدہ فلسطین کو اپنی تولیت میں لے لے"۔ اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا کہ تقسیم کو کس فوج اور پولیس کے ذریعہ

کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔

تین اتحادی ثالث :

اپریل ۱۹۴۸ء میں یہود عرب جھڑپیں باقاعدہ شروع ہو گئیں۔ حفاظتی کونسل نے فلسطین میں مقیم امریکی۔ بلجیم۔ اور فرانسیسی سفیروں کو ثالث مقرر کیا۔ انہوں نے برطانوی ہائی کمشنر کی وساطت سے جنگ بند کرانے کی کوشش کی۔ اور ۲ مئی ۱۹۴۸ء کو کامیاب ہو گئے۔ لیکن ۱۵- کو پھر فوراً جنگ کا ہنگامہ بپا ہو گیا۔ یہود کی پوری کوشش کے باوجود عربوں نے غزہ، بیر شیبہ، ذوالکرم۔ نابلس ان سے خالی کرا لئے۔ بیت المقدس کے قدیم حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور تل ابیب (یہودی دار الخلافہ) سے ۹ میل تک پہنچ گئے۔

عارضی صلح

یہودیوں کی ناکامیوں پر روس۔ امریکہ اور برطانیہ (متضاد عناصر) نے متحد ہو کر مجلس اقوام کو جنگ بند کرنے پر مجبور کیا۔

چنانچہ حفاظتی کونسل نے ۲۵ مئی کو جنگ بند کرنے کی قرار داد منظور کر لی۔ عربوں نے قبول نہ کیا۔ تو دو دن کی مہلت بڑھا دی۔ پھر اور مہلت دی۔ آخر ۳ جون کو دھمکی دی کہ ۲۴ گھنٹے تک چار ہفتوں کے لئے عارضی صلح کے طور پر جنگ بند کر دیں۔ بین الاقوامی دباؤ سے مجبور ہو کر عرب لیگ نے ۱۱- جون کو جنگ بند کر دینے کا فیصلہ دے دیا ——— عارضی صلح کی شرائط میں یہ تھا کہ اس دوران میں باہر سے کوئی یہودی داخل نہ کیا جائے گا۔ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر قابض رہیں گے۔ اتحادی مبصرین کو پھرنے میں آزادی ہو گی۔ نہ باہر سے کوئی اسلحہ آئیگا

نہ کوئی جنگی اقدام کرے گا ــــــــــ مدت صلح ختم ہونے پر ۸۔ جولائی کو سیکورٹی کونسل نے صلح کی مدت بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر عمل درآمد نہ ہوا۔ یہود نواز امریکہ نے یہ تحریک منظور کرائی کہ "جو فریق تین روز کے اندر اندر جنگ بند نہ کرے اس کے خلاف اقتصادی، سیاسی اور فوجی کارروائی کی جائے"۔ عرب اس چیلنج کے سامنے جھک گئے۔ اور یہ ان کے لئے سیاسی موت تھی۔

کاونٹ برنادوت اور مبصرین: مجلس اقوام متحدہ کے مقرر کردہ ثالث کاؤنٹ برنادوت سویڈن کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عہدہ قبول کرتے ہی "روہڈز" اپنا مستقر بنایا۔ مبصر حاصل کئے۔ اور اگست کے پہلے ہفتہ میں طویل دورہ کیا۔ یہود نے مبصرین کی راہ میں مشکلات پیدا کیں۔ شرائط صلح کی خلاف ورزی کی۔ امریکہ کے ایک مبصر کو ۸۔ اگست کو زخمی کر دیا۔ اعلیٰ اسلامتی افسر مسٹر بیل بلجیم کے سفیر پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جبکہ وہ عرب ہائی کمانڈ سے ملنے جا رہے تھے ــــــ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اتحادی ثالث (کاؤنٹ برنادوت) ایک مبصر کرنل سیروت کے ہمراہ بیت المقدس کے یہودی علاقے سے گذر رہے تھے کہ ایک یہودی نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا ــــــ ۱۸ ستمبر کو حفاظتی کونسل کا فوری اجلاس ہوا۔ احترام کے طور پر ایک منٹ کی خاموشی اور یہود کی مذمت کے سوا کوئی تادیبی کارروائی نہ کی گئی ــــــ قائم مقام اتحادی ثالث ڈاکٹر ریلیف بنچ کو مقرر کیا گیا۔ جو ایک امریکی غلام کے پوتے اور پروفیسر تھا۔ انہوں نے قتل کی ذمہ داری ریاست اسرائیل اور اُس کے وزیر خارجہ موشے شرتوک کی اشتعال انگیز تقاریر پر ڈالی ــــــ ۲۰ ستمبر کو بذریعہ تار اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ جلد اس بارے میں اقدام کرے۔ چونکہ اس وقت تک یہودی چار دوسرے مبصرین کو بھی ہلاک کر چکے ہیں اور

حکومتِ اسرائیل نے کچھ نہیں کیا —— ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مبصرین نے حفاظتی کونسل کو اطلاع دی کہ مبصر مصر اور دوسرے عرب علاقوں میں موجود ہیں۔ مگر یہودی علاقے میں نہیں۔ کیونکہ وہ سرنگوں کے بہانے سے داخلہ کی اجازت نہیں دیتے۔ اور رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ مگر مجلس اقوامِ متحدہ نے یہود کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔

کاؤنٹ برنا دوٹ کی سفارشات: فلسطین کے سربراہ قیام کے بعد کاؤنٹ برنا ڈوٹ نے اپنی آخری رپورٹ ستمبر ۱۹۴۸ء میں اس سال کی جو قتل کے بعد وصول ہوئی۔ اس کے چند نکات یہ ہیں۔ "(۱) عارضی صلح کی بجائے مستقل امن قائم کیا جائے (۲) افواج کو غیر مسلح کر دیا جائے۔ (۳) سلطنتِ اسرائیل کی حد بندی کے لئے کمیشن مقرر کیا جائے۔ (۴) بیت المقدس کے معاملہ میں خاص برتاؤ ہو (۵) جو اقوام متحدہ کی نگرانی میں رہے (۶) فلسطین کے عرب حصے کا قیام عربوں کو دے دیا جائے۔ اور بہتر ہو کہ اس کا شرق اردن سے الحاق کر دیا جائے (۷) عرب مہاجرین اپنے علاقہ کو لوٹا دیئے جائیں۔"

۲۲ ستمبر کو مسٹر بیون نے دارالعوام میں ان تجاویز کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

۱۵۔ اکتوبر کو کونسل کا اجلاس ہوا۔ مگر کسی نے رائے زنی نہ کی۔ اور اجلاس ملتوی ہو گیا۔

صحرائے نجب کی جنگ: اکتوبر ۱۹۴۸ء کے آغاز میں صحرائے نجب میں جنگ چھڑ گئی۔ تو حفاظتی کونسل نے ۱۹ اکتوبر کو جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔ ۲۲۔ اکتوبر کو ۵½ بجے جنگ بند ہوئی۔ مگر یورپ کی حمایت سے بدمست یہودی چیرہ دستیاں کرتے رہے ۲۴۔ اکتوبر کو قائم مقام اتحادی ثالث نے اور ۲۶ کو حکومتِ مصر نے حفاظتی کونسل سے احتجاج کیا۔ اجلاس ہوا مگر ایک طرف بیانات اور دیگر کارروائی ملتوی کر دی گئی۔ تین دن بعد پھر اجلاس ہوا۔ مگر روس بلاک نے تادیبی قرارداد نہ منظور ہونے دی۔ اور طے پایا کہ برطانیہ

چین، بلجیم، یوکرین اور فرانس کے نمائندوں پر مشتمل ایک سب کمیٹی اس بارہ میں غور کرے۔" ——— یکم نومبر کو قائمقام اتحادی ثالث کی کوششوں سے جنگ بند ہو گئی

نیا مصالحتی کمیشن ۔ نومبر ۱۹۴۸ کے پہلے ہفتے میں کینیڈا کی یہ تجویز منظور ہو گئی کہ موجودہ عارضی صلح کو مستقل تصور کر لیا جائے۔ عرب اور یہودی خود مفاہمت کر لیں۔ ——— یکم دسمبر ۱۹۴۸ء کو برطانوی تجویز زیر غور آئی کہ "فلسطین کو شرق اردن سے ملا دیا جائے اور تین ارکان پر مشتمل ایک نیا مصالحتی کمیشن مقرر کیا جائے۔" تجویز کا پہلا حصہ رد ہو گیا اور قرار پایا کہ فرانسیسی امریکی اور ترکی نمائندوں پر مشتمل نیا کمیشن مقرر ہو۔ اور اس "کا فیصلہ صرف اس قدر ہو۔ کہ عرب یہود کے متفقہ فیصلے نافذ کرا سکے۔ چنانچہ کمیشن کو ہدایت کی گئی۔ کہ "بیت المقدس میں بین الاقوامی حکومت قائم کرے۔ اور اسے غیر فوجی علاقہ بنائے۔ عرب اور یہود کو شہری آزادی، عام داخلے اور مذہبی عبادت کی آزادی دے۔" (۱) اس کمیشن کا اجلاس ۲۴ اپریل ۱۹۴۹ء کو لوزان میں ہوا۔

قائمقام اتحادی ثالث کی سعی ۔ ۱۹۴۹ء کے آغاز میں ڈاکٹر بنچ نے تمام عرب ممالک اور یہود کی گفتگو کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہی۔ تو ایک ایک ملک سے گفتگوئے مصالحت جاری کرائی۔ چنانچہ ۲۴ر فروری ۱۹۴۹ء کو مصر و اسرائیل کے درمیان ۲۳۔ مارچ کو اسرائیل و لبنان کے درمیان۔ ۳۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو شرق اردن اور اسرائیل کے درمیان معاہدات صلح ہو گئے۔ اور شام و اسرائیل کے درمیان ۱۹۔ مارچ کو سلسلۂ گفتگو شروع ہوا جو ۱۷ مئی کو ناکامی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

---

(۱) ۱۴۔ مئی (۱۹۴۸ء) کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بڑی کثرت سے اسرائیل کو رکن منتخب کر لیا۔ غیر جانبدار رہنے والے ملکوں میں ترکی بھی تھا۔ اس فیصلہ پر عرب نمائندے واک آؤٹ کر گئے

یہود کی حکومت اور قرآن

چند عنوانات

حقیقت یا افسانہ؟
یہود پر غضب الٰہی
غضب کے اسباب
کیا دائمی؟
طلوع اسلام
قرآن کا قانون
نسلی گناہ
بیان صدق

کیا یہود کی حکومت قرآن کے دعاوی کے منافی ہے؟

قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ

ریاست اسرائیل آئینی طور پر صحیح ہے یا غلط ہمیں اس سے بحث نہیں اس لئے کہ اس کا قیام سراسر عدل و انصاف اور جمہوریت و دیانت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے۔ کہ وہ قائم ہو چکی ہے۔ اور ایک سال کی مدت میں دنیا کی چھوٹی بڑی پینتیس ۳۵ حکومتیں اسے مان چکی ہیں۔ مضمون میں بحث اس سے ہے کہ کیا ریاستِ اسرائیل کا قیام آیات قرآنی کے منافی ہے۔ یا عالم کے لئے ایک چیلنج

حقیقت یا افسانہ؟

آپ ریاست اسرائیل کے تفصیلی حالات "فلسطین کی حکومتوں" کے مستقل باب میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کیا یہ تمام حقائق ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے؟ اگر حقیقتاً یہ امرِ واقعہ ہے۔ تو ہمارے دعاوی میں صداقت کس حد تک ہے؟ اس بنیادی سوال کو حقائق کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت اس لئے ہے۔ کہ یا تو مسلمان واقعات سے آنکھیں بند کر کے یہ کہہ کر دل خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ نام نہاد اور خود ساختہ حکومت ہے۔ جس کی حقیقت اور بنیاد کچھ نہیں اور جب دنیا کے اخبارات مجالس اعلانات اور ریڈیو کی نشریات اس خوش فہمی کو متزلزل کرتی ہیں۔ تو مسلمان قرآن کی بعض آیات اور الٰہی ارشادات پر شک و شبہ میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مغضوب اسرائیلی

حکومت کے مالک کیسے بن گئے۔ جبکہ اللہ نے انہیں مغضوب کہا۔ اور بار بار اس کے کلام میں ان پر غضب الٰہی کا اعلان ہوا۔

اگر ہم بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی داستان اور ان کے اقبال و زوال کے علل و اسباب پر ذرا بھی غور کریں تو ہرگز کوئی الجھاؤ اور اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اس مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے ہم مختصراً عروج و زوال کے اسباب پر بحث کرتے ہیں۔

اللہ کے چہیتے: بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی اولاد کا نام ہے۔ یعقوبؑ نبی اسحٰق کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ "اسرائیل" ان کا لقب تھا۔ اس عبرانی مرکب لفظ کا ترجمہ "اللہ کا بندہ" ہے۔ کتنا اچھا نام ہے۔ اللہ کے بندے کی اولاد (بنی اسرائیل) اور واقعی یہ بہت ہی مبارک اور باعظمت قوم تھی۔ قرآن حکیم کے اوراق میں اس کی پُرشکوہ داستان جگہ جگہ بکھری ہوئی ہے۔ جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے محبوب کے نام پر اٹھنے والی قوم کو لغزش کی راہوں سے باخبر کر دیا جائے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

قرآن حکیم بنی اسرائیل کو بار بار فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (ہم نے تمہیں جہاں پیدا ہ (اہل جہان) پر فضیلت بخشی) کہہ کر عظمت پارینہ کی یاد تازہ کراتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے نبی مبعوث ہوئے۔ ان کی تعلیم مسخ اور محرف ہو جانے کے باوجود دنیا ان کی بزرگی کا اعتراف کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ بنی اسرائیل میں نبوت کے ساتھ حکومت بھی رہی۔ بڑے بڑے باجبروت اور صاحب امر حکمران ان میں پیدا ہوئے داؤد نبی

کا عدل و انصاف اور چرند و پرند پر ان کے پیاسا شر نغموں کی فرمانروائی اور حضرت سلیمانؑ کی وسیع سلطنت کے چرچے آج بھی زبانِ زد خلائق ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی زبانی قرآن انہیں ان الفاظ میں دعوت فکر دیتا ہے "اے قوم! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔ کہ تم میں نبی مبعوث کئے۔ اور تمہیں بادشاہت سے نوازا۔ اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا"۔ (المائدہ آیت ۲۰) داعی اسلام حضرت محمد صلعم نے بھی انہیں اللہ کا یہی احسان یاد دلایا۔ "اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی۔ اور تمہیں تمام جہانوں پر شرف و فضیلت عطا کی" (البقرہ آیت ۴۷)

غلامی دنیا کی بد ترین لعنت ہے۔ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور انتہائی ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ انتہا یہ کہ ان کے بچے مار دیئے جاتے تاکہ قوم پنپ نہ سکے۔ اور قوم کا نجات دہندہ پیدا ہوتے ہی موت کی آغوش میں چلا جائے۔ اللہ نے ایسے ظالم و جابر قہرمان سے بھی یہود کو نجات دی۔ اور اذ انجیناکم من آل فرعون (بقرہ ۴۹۔ ابراہیم ۶) کہہ کر یہ احسان یاد دلایا۔

مغضوب امت۔ یہی شرف و مجد کی حامل قوم جب نبوت اور نبوی تعلیم کو فراموش کر بیٹھی، اور حکومت و حکمرانی کے خصائص سے عاری ہو گئی۔ تو گویا ایک آسمانی عذاب تھا جو ان پر مسلط ہو گیا۔ وہ ذلت، مسکنت اور غضب کے سہ گونہ ادبار کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور "مغضوب علیہم" کی فہرست کے سرخیل بنے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ اب انہیں دنیا کے کسی خطہ میں حکومت نہیں مل سکتی۔ وہ خلافت ارضی اور ریاست ملی کے مالک نہیں بن سکتے ——— آئیے یہود پر "غضب الٰہی" کے اسباب کتاب الٰہی

کی روشنی میں تلاش کریں۔ قرآنِ حکیم میں لفظ "مغضوب" صرف سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت میں استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ "غضب" مختلف آیتوں میں ۱۹ بار آیا ہے۔ متعلقہ آیات کے حوالے یہ ہیں۔ (۱) سورہ بقرآیت ۶۱ (۲) سورہ بقرآیت ۹۰ (۳) سورۂ نساء آیت ۹۳ (۴) سورہ اعراف آیت ۷۱ (۵) اعراف آیت ۱۵۲ (۶) سورۂ مائدہ آیت ۶۰ (۷) سورۂ انفال آیت ۱۶ (۸) سورہ نحل آیت ۱۰۶ (۹) سورہ طٰہٰ آیت ۸۱ (۱۰) سورۂ شوریٰ آیت ۱۶۔ (۱۱) سورہ فتح آیت ۶ (۱۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۱۲۔

سورۂ نحل کی ۱۰۶ نمبر والی آیت اور سورۂ شوریٰ کی سترہویں آیت میں بعد کے سخن عام ہے۔ پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے ۔"اگر کوئی ایمان کے بعد کفر و انکار کی راہ اختیار کرے۔ اور اس کا دل کفر کو خوب سمجھ بھی رہا ہو۔ تو اس پر اللہ کا غضب ہوگا۔ اور دردناک عذاب"۔ دوسری آیت میں ارشاد یہ ہے۔ کہ "اللہ کو ماننے کے بعد جھگڑنا اور کٹ حجتیاں کرنا عذاب الیم اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے"۔ سورۂ اعراف کے نویں رکوع میں قوم عاد کی نافرمانیوں کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد یہ بیان کہ "انہوں نے اللہ کی وحدانیت میں شک کیا۔ اور اللہ کے نبی کو عذاب کی دعوت دی"۔ چنانچہ اس سورۃ کی ۷۱ نمبر کی آیت میں بیان کیا "کہ آخر کار ان پر عذاب اور غضب نازل ہوا"۔ سورہ فتح کی ساتویں آیت میں منافق اور مشرک لوگوں کا تذکرہ ہے۔ جو مالک حقیقی اور اس کے نظام کے باغی اور مخالف ہو کر غضب کا شکار ہوتے ہیں — سورۂ انفال کی پندرھویں آیت میں خطاب خود اہل ایمان سے ہے "اے ایمان لانے والو! جب جنگ میں کفار سے مڈبھیڑ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔ اگر کوئی پشت دکھا کر بھاگے۔ تو وہ اللہ کے غضب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

سوائے اس کے کہ دشمن کو داؤ دینا مقصود ہو۔ یا مڑ کر اپنے لشکر سے ملنا ہو"۔۔۔
سورۂ نساء کی ۹۳ نمبر والی آیت میں ارشاد ہے۔"جو کوئی کسی اہل ایمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے کا مجرم ہوگا۔ اس کی سزا جہنم ہے۔ جہاں ہمیشہ کی سزا ہے۔ اور اللہ کا غضب اور پھٹکار ہوگی"۔ اب صرف مندرجہ ذیل چھ آیات باقی رہ جاتی ہیں۔ جہاں غضب کا اطلاق اہل کتاب "بنی اسرائیل" پر ہوتا ہے۔ (۱) سورۂ اعراف کے رکوع نمبر ۱۸ میں ذکر یہ ہے۔ "وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔ عنقریب ان پر پروردگار کا غضب آئے گا۔ اور دنیا کی زندگی میں ذلت ہوگی۔ اور بہتان باندھنے والوں کو ہم یہی سزا دیا کرتے ہیں"۔ (اعراف آیت ۱۵۲) (۲) سورہ طٰہٰ کے چوتھے رکوع میں طور سینا کے واقعہ کے بعد ارشاد ہے۔ "جو کچھ تمہیں پاکیزہ رزق دیا گیا ہے۔ وہ کھاؤ اور اس میں حد سے نہ بڑھو۔ ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔ اور جس پر میرا غضب پڑا ہلاک ہو گیا"۔ (طٰہٰ ۸۱) (۳) سورۂ بقر کے گیارھویں رکوع میں فرمایا۔ کہ قرآن حکیم توریت و انجیل اور انبیاء کے لائے یقین کا تصدیق کرنے والا ہے۔ اگر اہل کتاب اس کا انکار کریں گے۔ تو یاد رکھیں۔ "وہ غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ اور انکار کرنے والوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے"۔ (بقرہ ۹۱)
(۴) سورۂ مائدہ کے رکوع نمبر ۹ میں مومنوں کو ہدایت دی۔ کہ یہود کو دوست نہ بناؤ۔ اس لئے کہ وہ دین سے مذاق کرتے ہیں۔ پھر یہود کو ان الفاظ میں متنبہ کیا۔
"کیا میں تمہیں بتا دوں کہ اللہ کے ہاں اس سے بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟ وہ جن پر خدا نے لعنت کی۔ اور انہیں بندر اور سور بنا دیا۔ اور حد سے بڑھنے والوں کا غلام۔ یہ بدترین مقام ہے۔ اور راہ راست سے بہت دور"۔ (مائدہ ۶۰)

(۶) سورۃ البقرہ میں مسلسل ۶-۷-اور ۸ رکوع میں بنی اسرائیل کی خرابیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (البقرہ ۶۱) "ان پر ذلت اور مسکینی مسلط ہو گئی۔ اور وہ اللہ کے غضب کی لپیٹ میں آ گئے۔ چونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، چونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھتے "

غضب کے اسباب :

مذکورہ آیات پر معمولی غور و فکر سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ ان آیات میں یہود پر "غضب الٰہی" مسلط ہونے کے اسباب مندرجہ ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) پروردگار عالم کو چھوڑ کر گوسالہ جیسی حقیر مخلوق کی پرستش کرنا (۲) افترا پردازی اور بہتان طرازی (۳) حلال و حرام میں تمیز نہ کرنا (۴) کلام الٰہی کا انکار محض قومی عصبیت اور ذاتی ضد و عناد کی بنا پر (۵) آیات و قوانین الٰہی کا کفر (۶) قتل انبیاء یعنی جسمانی اور معنوی اعتبار سے نبیوں کی تعلیم مٹانا۔ (۷) نافرمانی اور سرکشی کی زندگی۔

سورہ البقرہ کی ۹۰ نمبر والی آیت جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیں۔ تو اس مغضوب امت پر ذیل کے الزامات ہیں جو بار بار دھرائے گئے ہیں (۱) عہد شکنی آیت ۸۳ (۲) محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کفر و انکار آیت ۸۹ (۳) ذاتی مقاصد اور سہل انگاری کی خاطر من گھڑے اور سستے فتوے آیت ۷۹ (۴) حق و باطل میں تلبیس آیت ۴۲ (۵) حق بات اور الٰہی سچائی کو چھپانا آیت ۴۲ (۶) دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا۔ اور

اپنے محبوب کو بھول جانا۔ دلدادۂ نصیحت و خود میاں فضیحت آیت ۴۴ (۷)
گؤسالہ پرستی آیت ۵۱ (۸) من و سلویٰ آسمانی خوراک کا کفران اور زمینی پیداوار کی تمنا۔
بالفاظ دیگر اعلیٰ کو ادنیٰ پر قربان کردینا (آیت ۵۷ تا ۶۱) آیات میں تحریف یعنی احکام الٰہی
میں حسب منشا الٹ پھیر۔ آیت ۵۵ (۱۰) کٹ حجتیاں کرکے مسائل و احکام میں بال کی کھال
اتارنا آیت ۶۷ تا ۷۱ (۱۱) منافقت اور دوغلی پالیسی آیت ۷۶ (۱۲) نیکی میں تعاون
کی بجائے گناہ۔ اور سرکشی میں اشتراک عمل۔ آیت ۸۵ (۱۳) دل پسند احکام کو
ماننا۔ مگر مرضی کے خلاف اور مشکل احکام میں نافرمانی۔ آیت ۸۵ (۱۴) دنیوی اور
فوری مفادات کو آخرت اور اس کے دور رس نتائج پر ترجیح دینا۔ آیت ۸۶۔ (۱۵)
زندگی کی حرص اور موت سے ڈر آیت ۹۴ تا ۹۶ (۱۶) سحر اور جادو پر ایمان اور دوسروں
کو اس کی تعلیم و تلقین دین کے نام پر آیت ۱۰۲۔ (۱۷) حقائق کی دنیا سے اعراض
کرکے امانی اور آرزوؤں میں پناہ لینا۔ آیت ۱۱۱۔

کیا غضب دائمی ہوتا ہے؟

اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا یہ غضب اور ذلت و مسکنت کی سزا جو بنی اسرائیل
کو ان کی بدعنوانیوں۔ انفرادی و اجتماعی غلط کاریوں کی بنا پر ملی۔ کبھی ان سے
دور ہوسکتی ہے یا نہیں؟ —— حقائق اور واقعات کی دنیا میں جواب اثبات
میں ملتا ہے۔ گو یہ حقیقت تلخ ہے۔ مگر ہے امر واقعہ۔ بنی اسرائیل آج مسکنت
کے شکار نہیں۔ اس لئے کہ مالی اعتبار سے آج دنیا کے بڑے بڑے بینک،
اور حکومتیں ان کی محتاج اور مرہون منت ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ جیسی سرمایہ دار
اور بڑی حکومتیں اگر آج یہود کی ہمنوائی کرتی ہیں۔ تو محض یہودی سرمایہ اور دولت کی

بنا پر ۔ ورنہ تعداد یا اجتماعی زندگی کے اعتبار، قومی یا ملّی لحاظ سے یہود کو دنیا کی سیاست میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ۔

قرآن حکیم کے دوسرے حصوں سے قطع نظر اگر صرف ان آیات پر غور کریں۔ جن میں یہود پر غضب الٰہی کے علل و اسباب بیان کئے گئے ہیں ۔ وہاں بھی اس ابہام کا جواب موجود ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کی پہلی آیت جو اوپر بیان ہوئی ہے ۔ سورۂ اعراف کی ۱۵۲ نمبر کی ہے ۔ اور اس کے بعد دوسری آیت یہ ہے۔

(۱) وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اعراف ۱۵۳)

اور جن لوگوں نے بُرے اعمال و افعال کئے ۔ اور پھر اس کے بعد ان سے رجوع کر لیا ۔ (توبہ کر لی) اور ایمان لے آئے ۔ تو یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے"۔ (اعراف ۱۵۳)

سورۂ بقرہ کی ۶۱ نمبر کی آیت کے فوراً بعد یہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقرہ ۶۲) جو لوگ ایمان لائے یا یہودی عیسائی اور ستارہ پرست ہیں ۔ جو اللہ اور روزِ آخرت پہ ایمان لائے گا ۔ اور نیک کام کرے گا ۔ تو ایسے لوگوں کے لئے خدا کے ہاں اجر ہے ۔ اور نہ ان پر خوف ہو گا ۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے " (البقرہ ۶۲)

ان آیات کو پڑھ کر ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ ان میں غضب دور ہونے

کی ایک شرطِ ایمان بھی ہے۔ اور لاریب ایمان سے مراد توحیدِ خداوندی اور رسالتِ محمد صلعم کا اقرار ہے۔ لیکن ہم سورۂ بنی اسرائیل کی ایک آیت پیش کرتے ہیں جس میں یہ شرط بھی نہیں ہے۔ پہلے فرمایا کہ "اگر تم بھلائی کرو گے۔ تو اس کا فائدہ تمہیں ہو گا۔ اور اگر برائی کرو گے تو اس کا انجام بھی تمہارے لئے ہو گا" اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ عنقریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم پہ رحم کرے۔ اور اگر تم پھر آؤ گے تو ہم بھی پھر آئیں گے"۔۔۔ (بنی اسرائیل آیت) اس سے واضح اور فیصلہ کن بات کہی جا سکتی ہے؟

بجائے اس کے کہ ہم ریاست اسرائیل کو خواہ مخواہ قرآنِ حکیم کے خلاف چیلنج قرار دیتے پھریں اور اس وہم میں مبتلا ہو کر الٰہی آیات کی صداقت میں شک و شبہ کریں کیا یہ حقیقت نہیں کہ "مغضوب اسرائیل" آج اجتماعی اور انفرادی اعتبار سے کئی اعمال و افکار میں اصلح ہو چکے ہیں؟ اور خلافتِ ارضی کے وارث انہیں امراض میں مبتلا ہو کر غضب الٰہی کے شکار ہو رہے ہیں؟ موت سے ڈرنے والے یہودی آج دہشت پسندی اور جرأت رندانہ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ مگر "سیسہ پلائی ہوئی دیوار" کے نظریہ پہ چلنے والے مومن آج انتشار اور افتراق میں مبتلا۔ پیسہ کے بدلے جان دینے والے سود خور یہودی قوم اور قومی حکومت کے لئے سب کچھ لٹا رہے ہیں۔ مگر اللہ کی راہ میں ہر چیز وقف کر دینے والے آج اس قابل نہیں۔ کہ اپنی ملت اور ملی بقا کے لئے۔ دور نہیں۔ بلکہ گھر کے قریب ہونے والے جہاد میں کچھ دے سکیں ——— تو کیا اس سچائی کا اعتراف نہ کر لینا چاہیئے؟ تاکہ مرض کے احساس کے ساتھ اس کے علاج کی بھی کوئی صورت ہو سکے۔ اس لئے کہ جہل مرکب میں مبتلا افراد ہوں

یا اقوام کبھی اصلاح حال کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے ہیں۔

طلوعِ اسلام : ہم نے جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں "فلسطین" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ضمناً اس سوال کے متعلق بھی چند سطور لکھی تھیں۔ بایں ہمہ ہم چاہتے تھے کہ اس عنوان پر کچھ زیادہ تفصیل سے لکھیں۔ کہ اتنے میں حافظ صاحب کا پیش نظر مضمون موصول ہو گیا۔ یہودی بر بنائے نسل ایک قوم ہیں۔ اور بر بنائے عقیدہ ایک مذہب کے پیرو۔ ان کے ہاں مذہب ایک قوم کی چار دیواری میں محدود رہا ہے لہٰذا مذہبی اور نسلی دو اعتبارات سے یہودیوں کی قومی وحدت کی تشکیل ہوئی ہے۔ مذہب تو چونکہ پھر بھی ایک ایسی چیز ہے۔ جسے اپنی مرضی سے مانا اور چھوڑا جا سکتا ہے لیکن نسلی اعتبار سے قومیت کے دائرہ سے باہر نکلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی

قرآن کا قانونِ مکافات

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کے قانونِ مکافات کی رو سے ایسا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ کسی قوم کی کوئی ایک نسل (GENERATION) کوئی جرم کرے۔ اور اس کی پاداش میں اس قوم کی قیامت تک کی آنے والی نسلیں سزا میں ماخوذ رکھی جائیں اگر ایسا تسلیم کیا جائے تو یہ عیسائیت کے اسی عقیدہ کے مماثل ہوگا جس کی رو سے وہ تمام بنی آدم کو آدمؑ کے گناہ کی پاداش میں پیدائشی گنہگار تصور کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کے قانونِ مجازات کے یکسر خلاف ہے۔ وہ جب باپ کے گناہ کے عوض بیٹے کو نہیں پکڑتا۔ تو ایک نسل کے جرائم کی سزا میں آنے والی نسلوں کو کس طرح ماخوذ کرے گا۔

بنا بر عقیدہ (یا مذہب) قومیت کی صورت میں بھی یہ ہوتا ہے۔ کہ جو شخص اس عقیدہ کو اختیار کر کے اس مذہب میں بھی شامل ہو جائے۔ اور اس طرح اس قوم کا فرد بن جائے۔ تو اس عقیدہ کے نتائج میں وہ بھی برابر کا شریک ہو جائے گا۔ اگر عقیدہ غلط ہے تو اس کے نتائج رسوا کن ہوں گے۔ اگر صحیح ہے۔ تو اس کا مآل حسنہ ہو گا۔ لہذا جب تک کسی قوم میں غلط عقیدہ موجود رہے گا۔ وہ قوم نسلاً بعد نسلٍ اس کے مہلک نتائج کی سزا میں ماخوذ رہے گی۔ تا آنکہ وہ اس غلط مذہب کو چھوڑ نہ دے۔ اگر غور کیجئے تو یہ بات بھی وہی ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی اس صورت میں بھی کسی دور کے انسانوں کو سزا ان کے اپنے ہی عمل کی بنا پر ملتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کے نتائج بہت دور رس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اپنے اندر صلاحیت پیدا کر لیں۔ تو ان اثرات سے مامون بھی رہ سکتے ہیں۔ ہر دور کے انسان اپنے اعمال کے نتائج کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک دور کے افراد ان اعمال خبیثہ کو چھوڑ دیں۔ جن میں ان کے اسلاف مبتلا تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی سزا ان پہ بدستور قائم رہے۔

نسلی گناہ:- ان متذکرات کی روشنی میں یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کے دورِ تنزل کے افراد جن جرائم کے مرتکب ہوئے ان کے اثرات اسی صورت میں آگے منتقل ہوں گے۔ جبکہ ان کی آنیوالی نسلیں بھی انہی جرائم میں [illegible] کی کوئی نسل ان جرائم سے مجتنب ہو کر اپنی اصلاح احوال کر لے گی۔ اس [illegible] محفوظ ہو جائے گی۔ اگر قانون خداوندی کی رو سے یہ [illegible]

(خدا کی چہیتی۔ اولاد ہونے) کا دعویٰ اس بنا پر باطل تھا۔ کہ خدا کا قرب کسی نسل سے مشروط نہیں بلکہ اعمال سے مشروط ہے۔ تو یہود پر غضب الٰہی بھی ان کے یہودی النسل ہونے کے ساتھ وابستہ نہیں ہو سکتا۔ ان کے اعمال کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہودی کچھ ہی کیوں نہ کرلیں۔ وہ قیامت تک ذلیل و خوار ہی رہیں گے۔۔۔۔ "قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ ان پر یہ عذاب قیامت تک رہے گا۔ وہ آیت یہ ہے۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۷/۱۶۷)

"اور اے پیغمبر! جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے رب نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا۔ جو انہیں بڑے سخت عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تیرا خداوند عمل کی سزا میں دیر کرنے والا نہیں اور ساتھ ہی بخشنے والا رحمت والا بھی ہے۔" ـــــــ لیکن علاوہ سیاق و سباق کے یہ آیت خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عذاب ان کی بد عملیوں کے ساتھ مشروط ہوگا۔ ان ربک لسریع العقاب اس پر صاف شاہد ہے کہ یہاں خدا کے قانون مکافات کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر اس کے بعد آیت کا آخری ٹکڑا اس سے بھی واضح تر الفاظ میں اس حقیقت کو منکشف کر رہا ہے۔ کہ یہ عذاب غیر مشروط و ابدی نہیں بلکہ اگر یہ لوگ ان عمال سے باز آجائیں گے۔ تو خدا کی بخشش و رحمت کے مستحق ہو جائیں گے۔

۱۴ قومی گورنمنٹ کیوں: یہود کی اجتماعی زندگی میں گزشتہ بیس[۲۰]

پچیس سال سے جو نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ اس تبدیلیٔ احوال و کوائف کے نتائج سے محروم رہیں۔

دنیا کی حکومتیں تغلب و تسلط سے قائم ہوتی ہیں جن کے لئے شرط صرف حصولِ قوت و وسائل سیاست ہے خواہ وہ کسی طریق سے حاصل کر لی جائے۔ نبوتِ محمدیہ پر ایمان سے مشروط خلافت ہے۔ اوّل الذکر حکومت حبل من الناس (انسانوں کی پناہ جوئی) سے حاصل ہوتی ہے (جسے ہم نے وسائل سیاست سے تعبیر کیا ہے) اور ثانی الذکر حبل من اللہ (تمسک بکتاب اللہ) سے ان دونوں کا ذکر خود یہودیوں کی ذلت و مسکنت کے ساتھ آیا ہے۔ جہاں ارشاد ہے۔ (آلِ عمران ۱۱۳) چنانچہ یہودی حکومت انسانوں کی پناہ جوئی اور سازش کے ذریعے وجود میں آئی ہے۔

بیانِ صدق:

مولانا عبد الماجد دریا بادی بیانِ صدق یہود اور حکومتِ یہود کے عنوان سے اس مسئلہ پر یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:۔

”بیشک قطعیت یعنی دوام و ابدیت کی قید کے ساتھ کوئی وعید قرآن مجید میں اس دنیا کی سزاؤں سے متعلق یہود کے لئے موجود نہیں۔ لوگ تفسیری روایتیں اور واعظوں کے بیان سُن سُن کر بہت سی چیزوں کو خود قرآن کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ انہیں میں سے یہ عقیدہ ہے عقلاً و ذوقاً کبھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیاوی سلطنت کے دروازے جب ہر قسم و درجہ کے مشرکوں بلکہ نرے ملحدوں، تثلیث پرستوں اور جملہ اہلِ باطل میں سے کسی پر بند نہیں۔ تو شرف آخر اسی قوم پر کیوں بند ہو۔ جو بہرحال توحید کی قائل ہے اور عقیدہ وحی و نبوت اور وجودِ کتب و ملائکہ پر اصلاً ایمان رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں ان کی دینی خرابیاں جہاں جہاں بھی آئی ہیں بجز عہدِ موسوی میں ایک مختصر سے زمانہ کے ان کے عملی فسق اور مسلسل نافرمانیوں اور بعض نہایت بھونڈے عقیدوں پر آ گئی ہیں۔“